۳۷

تحریکِ جدید کے دورِ ثانی میں زیادہ جدوجہد کی ضرورت ہے

(فرمودہ ۱۸؍نومبر ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''جیسا کہ میں گزشتہ خطبات میں بیان کر چکا ہوں تحریک جدید کا دورِاول صفائی کی مثال رکھتا تھا۔اس کی غرض یہ تھی کہ دشمنوں نے احمدیت پر جو حملہ کیا تھا اس کا ازالہ کیا جائے اور دشمن کی حقیقت کو دنیا پر ظاہر کیا جائے۔واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کوشش میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم کو عظیم الشان کامیابی عطا فرمائی ہے۔اس وقت ہماری سب سے بڑی مخالفت دو گروہوں کی طرف سے ہو رہی تھی ،گو شامل سارے ہی تھے مگر خصوصیت کے ساتھ ایک تو احرار مخالفت کر رہے تھے اور دوسرے حکومت کا وہ حصہ جو اندرونی طور پر برطانیہ کے دشمنوں کا ہمدرد تھا وہ اپنے عہدوں کی آڑ لے کر ہمیں نقصان پہنچانا چاہتا تھا اس کوشش میں اس نے حکومت کے بعض ہندوستانی یا انگریز افسروں کو بھی جھوٹی سچی شکایتیں کر کے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

احرار کا انجام جو ہوا وہ سب پر ظاہر ہے۔خدا تعالیٰ نے ان کی ذلت کے ایسے سامان مہیا کر دیئے کہ اب وہ مسلمانوں میں خود آزادی سے تقریر بھی نہیں کر سکتے۔کئی سال تو ایسی حالت رہی کہ لاہور میں احرار کا جلسہ ہونا ناممکن ہو گیا وہ جلسہ کرتے اور لوگ شور مچا دیتے ابھی تک بہت جگہ ان کی یہی حالت ہے گو وہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت واپس لینے کے لئے اب کئی قسم کے بہانے بنانے لگ گئے ہیں۔کہیں فلسطین کے مظلوم مسلمانوں سے ہمدردی کے دعوے کرتے ہیں

اور کہیں کشمیر ایجی ٹیشن شروع کرتے ہیں مگر ابھی تک انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حافظہ دیا ہے اور وسیع حافظہ دیا ہے۔تم میں سے وہ لوگ جو مایوس تھے اور ہر جماعت میں کچھ نہ کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مایوسی کی عادت اپنے اندر رکھتے ہیں وہ ذرا اپنے حافظہ پر زور ڈال کر احرار کی اس طاقت کا جو انہیں آج سے ساڑھے تین سال پہلے پنجاب میں حاصل تھی اندازہ لگائیں اور جو آج ان کی حالت ہے اس کا بھی اندازہ لگائیں، پھر جو اُس وقت ان کے روپیہ کی آمد کا حال تھا اس کا بھی اندازہ لگائیں اور جو آج ان کے روپیہ کی آمد کا حال ہے اس کا بھی اندازہ لگائیں۔ گورنر پنجاب نے خود ہمارے آدمیوں سے ان دنوں بیان کیا کہ سینکڑوں روپیہ روزانہ ان کو منی آرڈروں کے ذریعہ آتا ہے اور یہ ہمارے محکمہ کی رپورٹ ہے۔ میں اگر غلطی نہیں کرتا تو شاید انہوں نے پانچ سو روپیہ روزانہ کی آمد بتائی تھی۔ گویا ان دنوں پندرہ بیس ہزار روپیہ ماہوار ان کی آمد تھی لیکن آج یہ حالت ہے کہ متواتر ان کی طرف سے اپنے لوگوں کے نام یہ اعلان ہوتے ہیں کہ دس روپے ہی بھجوا دیں، دس نہیں تو پانچ ہی سہی، میں جب اس کیفیت کو دیکھتا ہوں تو مجھے وہی نظارہ یاد آجاتا ہے جو بچپن میں میرے دیکھنے میں آیا کرتا تھا۔

یہاں ایک معذور فقیر ہوا کرتا تھا۔اس کی عادت یہ تھی کہ اس کے پاس سے جو شخص بھی گزرتا اس سے ضرور کچھ نہ کچھ مانگتا وہ ہمیشہ اپنا سوال روپیہ سے شروع کرتا اور کہتا کہ ایک روپیہ دیتے جاؤ مگر یہ الفاظ کہتے ہی معاً اس کی طبیعت کہتی کہ یہ روپیہ نہیں دے گا اس لئے وہ اس کے ساتھ کہہ دیتا کہ اچھا اٹھنی ہی سہی اور بغیر وقفہ کے اس کے ساتھ زائد کر دیتا اچھا دوّنی ہی دے دو، پھر کہتا کہ چلو ایک آنہ ہی سہی اتنے میں گزرنے والا اس کے پاس پہنچ جاتا اور وہ کہتا دو پیسے ہی دے دو، اچھا ایک پیسہ ہی سہی جب وہ آدمی اسے چھوڑ کر آگے گزر جاتا تو کہتا کہ دھیلہ ہی دیتے جاؤ۔ایک پکوڑا ہی سہی اور جب وہ دور چلا جاتا تو زور سے آواز دیتا کہ ایک مرچ ہی دیتے جاؤ۔ یہی حالت ان لوگوں کی آج ہو رہی ہے۔

مگر وہ وقت ایسا تھا کہ ان سے گورنمنٹ بھی ڈرتی تھی۔ چنانچہ گورنمنٹ پنجاب کے بعض

ذمہ دار افسروں نے اس وقت ہمارے آدمیوں سے کہا تھا کہ بعض موقعوں پر ہم سمجھتے ہیں کہ احرار زیادتی کر رہے ہیں۔مگر کوئی اقدام کرنے سے پہلے ہمارے لئے یہ دیکھنا بھی تو ضروری ہے کہ ہمارے اقدام کے نتیجہ میں عام مسلمانوں پر کیا اثر ہوگا۔تو یہ ایسی چیز ہے جس کا انکار دشمن بھی نہیں کرسکتا۔لاہور کے تمام مسلمان اخبارات باقاعدہ اس بات کو پیش کرتے اور اس کے متعلق مضامین لکھتے رہتے ہیں بلکہ ہمارے صوبہ کی سب سے بڑی طاقت یعنی یونینسٹ پارٹی جو برسرِ حکومت ہے اور جسے قانون کے لحاظ سے حاکم اور بادشاہ کہنا چاہئے وہ خود اسی نتیجہ کی سب سے بڑی شاہد ہے گو مجھ سے ایک ڈپٹی کمشنر نے بات کرتے وقت کہا کہ برطانوی گورنمنٹ فلاں چیز کی برداشت نہیں کرسکتی مگر یہ کہتے ہوئے معاً انہیں خیال آیا کہ ہم دعوے تو اَور کرتے رہتے ہیں اور میں نے اس موقع پر کیا کہہ دیا ہے اس لئے وہ یہ فقرہ کہتے ہی کہنے لگے آپ اس کو سلف گورنمنٹ کہہ لیں۔یعنے موجودہ سلف گورنمنٹ برطانوی حکومت ہی ہے صرف اس کا نام بدل دیا گیا ہے۔یہ اس ڈپٹی کمشنر کے قول کا مطلب واقع میں ہے یا نہیں ، یہ یونینسٹ گورنمنٹ جانے۔بہرحال ہمیں بتایا یہ جاتا ہے کہ اس وقت یونینسٹ گورنمنٹ حکومت کر رہی ہے اور یہی یونینسٹ گورنمنٹ اس نتیجہ کی سب سے بڑی شاہد ہے۔کیونکہ اسے شکست دینے کے لئے احرار نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اس کے کم سے کم دو درجن ممبر ایسے ہیں جو ہماری مدد سے باوجود احرار کی مخالفت کے کامیاب ہوئے تھے۔دوسری شکست احرار کو نمایاں طور پر یہ ملی کہ قادیان کے متعلق انہوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ہم نے اسے فتح کرلیا ہے اور قادیان کے علاقہ میں احمدیوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں مگر خدا تعالیٰ نے ان کے اِس دعویٰ کی تردید کا بھی سامان مہیا کر دیا۔گو ہمارے بعض آدمی اس حکمت کو نہیں سمجھے اور انہوں نے بغیر سوچے سمجھے یہ اعتراض کر دیا کہ جماعت کا روپیہ برباد کیا گیا ہے حالانکہ روپیہ تو آنے جانے والی چیز ہے۔آج آتا ہے اور کل ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔یہ نہ کسی انسان کے پاس رہا، نہ کسی قوم کے پاس رہا، نہ کسی ملک کے پاس رہا، ایک زمانہ میں ایک قوم دولت مند ہوتی ہے اور دوسرے زمانہ میں دوسری قوم دولت مند ہو جاتی ہے۔ایک زمانہ میں ایک ملک دولت مند ہوتا ہے اور دوسرے زمانہ میں دوسرا ملک دولت مند ہوتا ہے۔پس روپیہ آتا اور چلا جاتا ہے مگر جو چیز رہ جاتی ہے وہ

نام اور شُہرت ہوتی ہے۔ آخر غور کرو کہ وہ ساری دنیا کی حکومت جو مسلمانوں کے پاس تھی وہ اب کہاں ہے، وہ خلافت جس کے ذریعہ حضرت ابو بکرؓ حکومت کرتے تھے کہاں ہے، وہ حکومت جو حضرت عمرؓ کو حاصل تھی وہ کہاں ہے۔ وہ شوکت اور عظمت جو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو حاصل تھی وہ کہاں ہے، وہ دبدبہ اور وہ رعب جو صحابہؓ کو حاصل تھا وہ اب کہاں ہے، وہ ملک چلے گئے، حکومت جاتی رہی مگر جو چیز آج بھی موجود ہے وہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ کا سرٹیفکیٹ ہے تو ملکوں کے ہاتھ سے نکل جانے نے انہیں نقصان نہیں پہنچایا کیونکہ جو ان کی عزت تھی وہ آج بھی قائم ہے جب ملک ان کے پاس تھا تب بھی وہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ کے القاب کے مستحق تھے اور جب ملک نہیں رہا تب بھی انہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ کہا جاتا ہے۔ گویا اصل قیمتی چیز رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ کا خطاب ہی ہے نہ کہ روپیہ یا جائداد یا حکومت اور بادشاہت۔ تو روپیہ ایک آنی جانی چیز ہے مگر بعض لوگ حکمتوں کو نہیں سمجھتے اور چونکہ ان کے دماغ چھوٹے ہوتے ہیں اس لئے وہ بعض دفعہ کسی روپیہ کے خرچ کر دیئے جانے پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اس کے نتیجہ میں جماعت کی عزت کس قدر قائم ہوگئی۔ اب جو چیز میرے سامنے تھی وہ یہ تھی کہ قادیان کے متعلق دشمن نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہم نے اسے فتح کرلیا ہے اور احمدیوں کو بالکل کُچل کر رکھ دیا گیا ہے۔ یہاں بیٹھے ہوئے ایک شخص اس اعتراض کو معمولی خیال کرتا ہے مگر سارے ہندوستان کو مدنظر رکھتے ہوئے بنگال، بمبئی، مدراس، یوپی، بہار، سندھ، صوبہ سرحد میں جو احراری پروپیگنڈا جماعت احمدیہ کی موت کی نسبت کیا جارہا تھا وہ ہماری تبلیغ کے راستہ میں بہت بڑی روک بن رہا تھا بلکہ دور کیوں جاؤ خود پنجاب کے دوسرے علاقوں میں یہ بُرا اثر پیدا کر رہا تھا اور لوگ خیال کرنے لگے تھے کہ شاید یہ لوگ سچ ہی کہہ رہے ہیں اور اب جماعت احمدیہ ختم ہو رہی ہے اور اس اثر کا دور کرنا نہایت ضروری تھا۔ پس میں نے چاہا کہ اس علاقہ میں احرار کا ممبری کیلئے کھڑا ہونا ایک خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ موقع ہے جسے ضائع نہیں ہونے دینا چاہیئے اور ہمیں چاہیئے کہ ہم اس موقع پر دنیا کو بتا دیں کہ اس علاقہ میں ہماری طاقت باوجود اقلیت ہونے کے ان سے زیادہ ہے اور اس خیال سے میں نے احمدی امیدوار، باوجود ہمارے بعض دوستوں کے شدید اصرار کے کہ ایسا نہ کیا جائے کھڑا کیا اور یہی جواب دیا کہ اس وقت ہمارے لئے

یہ ایک اصولی سوال ہے اور ہم اس ذریعہ سے احرار کے جھوٹے پروپیگنڈا کو باطل ثابت کرنا چاہتے ہیں اس لئے باوجود آپ لوگوں کے اصرار کے ہم اپنے آدمی کو نہیں بٹھا سکتے۔ چنانچہ جب الیکشن کا نتیجہ نکلا تو بیشک اہل سنت و الجماعت کا ایک نمائندہ کامیاب ہو گیا مگر دوسرے نمبر پر احمدی نمائندہ تھا۔ تیسرے نمبر پر احراری اور چوتھے نمبر پر دوسرا سُنّی اب اس نتیجہ کو احرار کہاں چھپا سکتے تھے۔ یہ پبلک کی آواز تھی جو ووٹوں کے ذریعہ ظاہر ہوئی اور اس نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ یہ کہنا کہ احمدیوں کو قادیان کے علاقہ میں کُچل دیا گیا ہے بالکل بے معنیٰ دعویٰ ہے۔ حقیقت اس میں کچھ نہیں۔ پس اس نتیجہ نے احرار کی آواز کو بالکل مدھم کر دیا اور اس کے بعد قادیان کی فتح کا نقارہ بجتے کم از کم میں نے نہیں سنا اس لئے کہ یہ نتیجہ سرکاری افسروں کے سامنے نکلا اور انہوں نے بھی دیکھ لیا کہ احرار کی نسبت جماعت احمدیہ کے نمائندہ کو ووٹ زیادہ ملے ہیں۔ ایسے بیّن اور کھلے نتیجہ کو کوئی کہاں چھُپا سکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہلے دَور میں زمین صاف کرنے کا موقع دیا اور اِدھر تو حکام پر حقیقت کھل گئی اور اُدھر پبلک پر حقیقت کھل گئی ہمیں جو خدشہ تھا کہ جماعت کی سبکی اور بدنامی نہ ہو وہ جاتا رہا۔

دوسری طرف ہمیں حکومت کے بعض افسروں سے اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ ہمیں ان پر بھی غصہ تھا کہ ہمیں کہا جاتا ہے کہ تم باغی ہو اور حکومت کا تختہ الٹنے والے ہو حالانکہ ہم ایسے نہیں۔ ہم نے اس الزام کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے رنگ میں غلط ثابت کیا کہ گورنمنٹ کو تقریراً اور تحریراً تسلیم کرنا پڑا کہ ہم جماعت پر ایسا کوئی الزام نہیں لگاتے اور یہ کہ اس نوٹس سے جو اس نے دیا یہ مراد ہرگز نہیں تھی کہ حکومت کے نزدیک جماعت احمدیہ نے سول نافرمانی یا کسی خلافِ امن فعل کے ارتکاب کا ارادہ کیا ہے۔ چنانچہ حکومت پنجاب کی چٹھیوں کے علاوہ جب نائب وزیر ہند کے پاس شکایت کرتے ہوئے انہیں اس معاملہ کی طرف توجہ دلائی گئی تو انہوں نے ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ حکومت ہند کی طرف سے انہیں یقین دلایا گیا ہے کہ حکومت پنجاب اور اس کے افسروں نے اس معاملہ میں جو کچھ بھی کیا ہے اس کے کرتے وقت ان کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ وہ کوئی ایسا کام کریں جس سے جماعت احمدیہ کے جذبات کو جس کی وفاداری پورے طور پر مسلم ہے کسی طرح ٹھیس لگے۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ پہلے

انہوں نے ہم پر بغاوت اور سول نافرمانی کا الزام لگایا تھا۔

پھر ایک واقعہ ایسا ہے کہ جسے گورنمنٹ کسی صورت میں بھی چھپا نہیں سکتی۔ میں نے کئی انگریز افسروں سے گفتگو کرتے ہوئے یہ واقعہ ان کے سامنے رکھا ہے اور انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ بعض حکام سے اس بارہ میں کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہوئی ہے گویا وہ ایک ایسی واضح غلطی ہے جس کو تسلیم کئے بغیر گورنمنٹ کے افسروں کیلئے کوئی چارہ ہی نہیں اور وہ یہ کہ گورنمنٹ کے کسی افسر نے ایک دفعہ ایک خفیہ سرکلر جاری کیا جو غالباً کئی ضلعوں کے ڈپٹی کمشنروں کے نام بھیجا گیا تھا کہ جماعت احمدیہ کی حالت گورنمنٹ کی نگاہ میں مشتبہ ہے اس لئے اس کے افراد کا خیال رکھنا چاہئے، اب یہ ذرا حد سے نکل چکے ہیں اور ان کے خیالات باغیانہ ہو گئے ہیں۔ یہ سرکلر تمام ضلعوں کے ڈپٹی کمشنروں یا بعض اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں کو بھیجا گیا اور ہمیں بھی کسی طرح اس چٹھی کا پتہ لگ گیا۔ جب ہم نے گورنمنٹ سے اس چٹھی کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ ایسی کوئی چٹھی نہیں بھیجی گئی حالانکہ ہمیں خبر دینے والے نے یہ بتایا تھا کہ یہ معتبر خبر ہے۔ جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے اس وقت کی گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلائی۔ (اس وقت تک موجودہ حکومت کا زمانہ نہ آیا تھا) گورنمنٹ نے ایسے سرکلر سے لاعلمی ظاہر کی اور بالکل ممکن تھا کہ ہم اپنی اطلاع کو کسی غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تازہ بتازہ ثبوت بہم پہنچا دیا اور وہ اس طرح کہ اِدھر گورنمنٹ نے انکار کیا کہ ہم نے کوئی ایسی چٹھی نہیں بھیجی اور اُدھر راولپنڈی کا ایک ہیڈ کانسٹیبل جلسہ سالانہ یا مجلس شوریٰ کے موقع پر (اس وقت مجھے یاد نہیں رہا) ضلع راولپنڈی کے ایک گاؤں میں گیا اور اس نے احمدیوں سے کہا کہ تم مجھے اپنے نام لکھاؤ۔ تم میں سے کون کون قادیان جائے گا کیونکہ سرکاری حکم آیا ہے کہ احمدیوں کی نگرانی رکھو۔ غرض اس نے وہاں کے احمدیوں سے اقرار لیا کہ وہ اس موقع پر بغیر پولیس کو اطلاع کئے نہیں جائیں گے۔ جب انہوں نے اس بات کی اطلاع ہمیں دی تو ہماری طرف سے مقامی کارکنان کو ہدایت کی گئی کہ وہ اس واقعہ کی تحقیق کریں اور افسرانِ بالا سے مل کر معلوم کریں کہ اصل بات کیا ہے۔ جب انہوں نے تحقیق کی اور وہ افسرانِ بالا سے ملے تو پولیس کے افسروں نے انہیں یہ جواب دیا کہ اصل بات یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے ایک خفیہ چٹھی آئی

تھی کہ اس امر کی نگرانی رکھی جائے مگر اس ہیڈ کانسٹیبل نے شراب پی ہوئی تھی جس کے نشہ میں اس نے بات کہہ دی اور بجائے مخفی رکھنے کے اس نے خود احمدیوں سے اس کا ذکر کر دیا ورنہ ہمیں تو مخفی حکم ملا تھا اور اب بہتر ہے کہ آپ اس معاملہ کو دبا دیں اور زیادہ شور نہ کریں کیونکہ ہماری بدنامی ہوتی ہے اور اگر یہ راز کھلا تو اس ہیڈ کانسٹیبل کی شامت آ جائے گی۔ اب یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ جس کا گورنمنٹ انکار کر ہی نہیں سکتی تھی اور انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ کوئی غلط فہمی اس بارہ میں ہوگئی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ غلط فہمی ہو کس طرح گئی۔ اگر گورنمنٹ یا گورنمنٹ کے کسی ذمہ دار افسر کا کوئی آرڈر نہیں تھا تو یہ کس طرح ممکن ہو گیا کہ راولپنڈی کے ایک ہیڈ کانسٹیبل نے ایک دور دراز کے گاؤں میں جا کر احمدیوں کے نام لکھنے شروع کر دیئے اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ بغیر پولیس میں اطلاع دیئے تم قادیان نہیں جا سکتے مگر خیر ہم کو ان بحثوں سے غرض نہیں۔ حکومت پنجاب نے علَی الْاِعلان تسلیم کیا کہ وہ کوئی ایسا الزام جماعت احمدیہ پر نہیں لگاتی اور بالا گورنمنٹ نے بھی یقین دلایا کہ جماعت احمدیہ کی وفاداری اس کے نزدیک مسلّم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حکومت کے مقابلہ میں بھی ہمیں فتح دی گو مخالفت کا سلسلہ ابھی تک اندرونی طور پر افسروں میں جاری ہے کیونکہ حکومت میں یہ مرض ہے کہ اس کا ایک معمولی سے معمولی افسر بھی کوئی بات کہہ دے تو وہ اسے سچ تسلیم کر لے گی اور یہ گورنمنٹ کے تنزّل اور بعض دفعہ اس کے لئے ندامت کے موجبات میں سے ایک بہت بڑا موجب ہے۔ ممکن ہے اب جبکہ گورنمنٹ میں ہندوستانی عنصر زیادہ ہو رہا ہے یہ مرض کم ہونا شروع ہو جائے مگر ابھی تک پرانی روایات چلتی چلی جاتی ہیں اور حالت یہ ہے کہ چاہے کوئی افسر کتنا جھوٹا، کتنا فریبی اور کتنا ہی مکار کیوں نہ ہو جو بات بھی وہ کہہ دے سارے اس کے پیچھے چل پڑیں گے اور کہیں گے کہ یہ بات بالکل سچی ہے کیونکہ فلاں افسر نے یہ بات کہی ہے اور ابھی تک ان کی طبیعت پر یہ اثر چلتا چلا جاتا ہے خصوصًا لوکل افسر تو اس مرض میں بہت حد تک مبتلا ہیں اور وہ حقیقت کو سمجھ جانے کے باوجود سچائی اور دیانت کا طریق بعض دفعہ اس لئے اختیار نہیں کرتے کہ اگر ہم نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تو گورنمنٹ کے پرسٹیج کو نقصان پہنچے گا۔ بہرحال ان دنوں میں اور آج کے ایام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلے وہ دھڑلے سے ہماری جماعت کو

دبانے کیلئے تیار ہو جاتے تھے مگر اب وہ سوچ لیتے ہیں کہ اس دبانے کا نتیجہ کیا ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جماعت کو جس رنگ میں بڑھایا ہے وہ کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ چاروں طرف ترقی کے آثار نظر آرہے ہیں کئی نئے ممالک ہیں جن میں احمدیت قائم ہوئی، ہزاروں لوگ جو اس دوران احمدیت میں داخل ہوئے بلکہ قریب کے علاقہ میں بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت نے ترقی کرنی شروع کر دی ہے اور بعض جگہ بالکل نئی جماعتیں قائم ہوگئی ہیں اور بعض جگہ پہلے چھوٹی جماعتیں تھیں مگر اب بہت بڑی جماعتیں ہوگئی ہیں۔ چنانچہ ابھی ایک صاحب نے جو آکر کہا ہے کہ انتظام ہوگیا ہے۔ وہ اسی امر کے متعلق تھا کہ ایک جگہ کی نئی جماعت نے خواہش کی تھی کہ انہیں جمعہ پڑھانے کے لئے کوئی آدمی بھجوایا جائے۔ ہمارے افسر انتظام کرنا بھول گئے اور جمعہ کو آتے ہوئے مجھے شاہ صاحب سے اس کا علم ہؤا اور میں نے آدمی بھجوایا کہ ابھی خطیب کا انتظام کر کے مجھے اطلاع دی جائے تا ان لوگوں کی دل شکنی نہ ہو۔ اس جگہ بھی بیس سال سے نہایت مختصر جماعت تھی مگر اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی جماعت ہوگئی ہے۔

آج میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ میرے دل پر ان گالیوں کی وجہ سے ایک ناخوشگوار اثر تھا جو احرار ایجی ٹیشن کی وجہ سے ہمیں ملتی رہی ہیں اور اب بھی مل رہی ہیں کیونکہ گالیاں فتح اور شکست سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ گرا ہؤا آدمی زیادہ گالیاں دیا کرتا ہے۔ بہرحال میری طبیعت پر یہ اثر تھا کہ مسلمانوں نے اس موقع پر ہمارے ساتھ اچھا معاملہ نہیں کیا اور مجھے ان کی طرف سے رنج تھا۔ شاید میرا گزشتہ سفر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت اسی غرض کیلئے تھا کہ تا میری طبیعت پر جو اثر ہے وہ دور ہو جائے۔ میں نے اس سفر میں یہ اندازہ لگایا ہے کہ میرا وہ اثر کہ مسلمان شرفاء بھی اس گند میں مبتلا ہیں اس حد تک صحیح نہیں جس حد تک میرے دل پر یہ اثر تھا۔ مجھے اس سفر میں ملک کا ایک لمبا دورہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ پہلے میں سندھ گیا، وہاں سے بمبئی گیا، بمبئی سے حیدرآباد چلا گیا اور پھر حیدرآباد سے واپسی پر دہلی سے ہوتے ہوئے قادیان آ گیا۔ اس طرح گویا نصف ملک کا دورہ ہو جاتا ہے۔ اس سفر کے دوران شرفاء کے طبقہ کے اندر جو بات میں نے دیکھی ہے اس سے جو میرے دل میں مسلمانوں کے متعلق رنج تھا وہ بہت کچھ دور ہوگیا ہے اور مجھے معلوم ہؤا ہے کہ شریف طبقہ اب بھی وہی شرافت رکھتا ہے جو شرافت وہ پہلے

رکھا کرتا تھا اوران خیالات سے جو احرار نے پیدا کرنے چاہے تھے وہ متاثر نہیں بلکہ ان کی گالیوں کی وجہ سے وہ ہم سے بہت کچھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ اگر مجھے یہ سفر پیش نہ آتا تو شاید یہ اثر دیر تک میرے دل پر رہتا اور میں سمجھتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے اس سفر کا موقع دیا اور وہ اثر جو میرے دل پر تھا کہ اتنے گند میں مسلمانوں کا شریف طبقہ کس طرح شامل ہو گیا وہ اس سفر کی وجہ سے دور ہو گیا۔ حیدرآباد میں میں نے دیکھا کہ جس قدر بھی بڑے آدمی تھے۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ تھوڑے سے باہر بھی رہے ہوں گے اور وہ ان پارٹیوں میں شامل ہوتے رہے جو میرے اعزاز میں وہاں دی گئی تھیں۔ ان لوگوں میں وزراء بھی تھے، امراء بھی تھے اور نواب بھی تھے۔ چنانچہ نواب اکبر یار جنگ صاحب بہادر نے جو پارٹی دی اس میں بہت سے نواب شامل ہوئے اور سارے سو دوسو کے قریب معززین ہوں گے اور جو ان کی پارٹی میں شامل ہوئے۔ اسی طرح دوسری جگہوں میں بھی میں نے دیکھا کہ شرفاء، آفیسرز، ججز اور بڑے بڑے امراء ان دعوتوں میں شریک ہوتے رہے ہیں اور میں دیکھتا رہا کہ ان کے دلوں میں یہ احساس ہے کہ احرار کی طرف سے ہم پر سخت مظالم توڑے گئے ہیں بلکہ بہتوں نے بیان بھی کیا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں جماعت احمدیہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے بہت کچھ کر رہی ہے۔ اسی طرح دہلی میں جو ایک دو تقریبات ہوئیں ان میں میں نے دیکھا کہ شہر کے ہر طبقہ کے لوگ اور بڑے بڑے روساء شامل ہوتے رہے۔ مسلمانوں میں سے زیادہ اور ہندوؤں اور سکھوں میں سے قلیل اور قدرتی بات ہے کہ جس شخص کے اعزاز میں یہ تقریب پیدا کی جائے گی اس میں وہی لوگ زیادہ بلائے جائیں گے جو اس کے ہم مذہب ہوں گے۔ پس ان دعوتوں میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوئے اور ان کی باتوں میں سے مَیں نے یہ معلوم کیا کہ درحقیقت احرار کا یہ دعویٰ کہ ان کا مسلمانوں پر بہت بڑا اثر ہے اور یہ کہ وہ گند جسے شرافت برداشت نہیں کر سکتی مسلمانوں کے دلوں میں گھر کر چکا ہے، یہ بالکل غلط ہے اور اس طرح میرے ان خیالات کا ازالہ ہوا جو شرفا کے متعلق میرے دل میں پیدا ہو چکے تھے اور میں نے سمجھا کہ اگر ان ایام میں مسلمان خاموش رہے تھے تو محض مخالفت کی ہیبت کی وجہ سے کہ احرار کا ان کے دلوں پر کوئی اثر ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے بدظنی کے گناہ سے بچا لیا۔ مجھے پرسوں ترسوں ہی حیدرآباد سے

ایک معزز آدمی کا خط ملا ہے۔ وہ لکھتا ہے میں خود آپ سے ملنا چاہتا تھا تا دیکھوں کہ جس شخص کی اس قدر تعریف اور اس قدر مذمت ہوتی ہے وہ ہیں کیسے؟ خیالات ہر شخص کے مختلف ہوتے ہیں اس کے لحاظ سے جو چاہے آپ کے متعلق کہہ لیا جائے مگر اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آپ کے اخلاق اور آپ کی محبت نا قابلِ اعتراض اور قابلِ تقلید ہے۔ یہی اثر میں سمجھتا ہوں عام طور پر دوسرے لوگوں کے دلوں پر بھی تھا اور بجائے اس کے کہ وہ اس گند سے متاثر ہوتے سوائے چند لوگوں کے باقی تمام شرفاء صورت حالات کو حیرت سے دیکھتے تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ ہم معلوم کریں یہ کیسی جماعت ہے اور اس کا امام کیسا شخص ہے۔ پس احرار کے گند سے مسلمانوں کے شریف طبقہ میں صرف تجسّس پیدا ہؤا، ایک روتحقیق کی پیدا ہوئی، اس سے زیادہ انہوں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ اسی طرح میرے یہاں پہنچنے پر دو چار دن کے بعد ایک مشہور مسلمان لیڈر نے جنہیں گورنمنٹ کی طرف سے سر کا خطاب بھی ملا ہؤا ہے مجھے لکھا کہ میں آپ کے سفر کے حالات اخبار میں غور سے پڑھتا رہا ہوں اور میں اس دورہ کی کامیابی پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں حالانکہ ان کا اس سفر سے کوئی واسطہ نہ تھا نہ وہ ان شہروں میں سے کسی ایک میں رہتے تھے جہاں میں گیا۔ نہ وہ ان علاقوں کے باشندے ہیں، ایک دُور دراز کے علاقہ میں وہ رہتے ہیں اور مسلمانوں کے مشہور لیڈر ہیں مگر انہوں نے بھی اس دورہ کی کامیابی پر مبارکباد کا خط لکھنا ضروری سمجھا جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شرفاء کے دلوں میں ایک کُرید تھی اور بجائے اس گند سے متاثر ہونے کے شریف طبقہ ایک تجسّس کی نگاہ سے تمام حالات کو دیکھ رہا تھا اور اندرونی طور پر وہ ہم سے ہمدردی رکھتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان حالات میں مسلمانوں کے متعلق میری بدظنی گناہ کا موجب تھی اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس سفر کا موقع دے دیا تا وہ خیال جو ایک شکوہ کے رنگ میں مسلمان شرفاء کے متعلق میرے دل میں پیدا ہو چکا تھا کہ انہوں نے وہ امید پوری نہیں کی جو ان پر مجھے تھی وہ دور ہو جائے۔ چنانچہ مجھ پر اس سفر نے یہ ثابت کر دیا کہ میرا پہلا خیال غلط تھا اور درحقیقت ان کی خاموشی صرف ہیبت کی وجہ سے تھی ورنہ شریف، دل میں شریف ہی تھے اور وہ اس گند کو پسند نہیں کرتے تھے جو احرار کی طرف سے اچھالا گیا۔ مگر میں نے بتایا ہے کہ دورِ اول کے بعد دورِ ثانی کی ضرورت ہے۔ دَورِ اول زمین کی

صفائی کیلئے تھا اب دورِ ثانی میں تعمیر کی ضرورت ہے اور تعمیر کا کام تخریب سے بہت زیادہ اہم ہوتا ہے۔ پس جو تخریبی حصہ تھا یعنی دشمنوں کی کوششوں کو باطل کرنا اور انکو ان کے منصوبوں میں ناکام و نامراد کرنا، یہ خدا تعالیٰ کے فضل سے پورا ہو چکا ہے اور تعمیری دور کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے جو دنیا میں ایسی فضا اور ایسا رنگ پیدا کردے جو ان مقاصد کو پورا کرنے میں مد ہو جن مقاصد کو پورا کرنے کیلئے احمدیت قائم ہوئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان مقاصد کا پورا ہونا صرف احمدیت کیلئے ہی خاص طور پر مفید نہیں بلکہ اسلام کیلئے بھی مفید اور بابرکت ہے اور پھر صرف اسلام کیلئے ہی ان مقاصد کا پورا ہونا مفید نہیں بلکہ جس قسم کا مذہبی، سیاسی، تعلیمی، تمدنی اور اقتصادی ماحول ہم پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ دنیا کیلئے بھی مفید اور ضروری ہے۔ یہ عظیم الشان ماحول ہم نے پیدا کرنا ہے مگر ہماری موجودہ حالت تو ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربہ۔ ہماری تعداد نہایت قلیل ہے اور جب ہم کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں ایسا انقلاب پیدا کر کے رہیں گے تو دنیا ہم پر ہنستی ہے اور کہتی ہے کہ یہ پاگل ہو گئے ہیں۔ مگر آج تک دنیا میں جس قدر عظیم الشان کام ہوئے ہیں وہ ایسے ہی لوگوں سے ہوئے ہیں جنہیں پاگل کہا گیا اور ایسی ہی جماعتوں نے انقلاب برپا کیا ہے جنہیں مجنون قرار دیا گیا۔ پس پاگل کا لقب ہمارے لئے کوئی گالی نہیں بلکہ خوشی کا موجب ہے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری انبیاء سابقین کی جماعتوں سے ضرور ایک گہری مشابہت ہے کیونکہ جس طرح انہیں پاگل کہا گیا اسی طرح لوگ آج ہماری جماعت کو پاگل کہتے ہیں۔ لیکن بہرحال ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ احمدیت کی ترقی کیلئے ہمیں ایک عظیم الشان جدوجہد کی ضرورت ہے اور جیسے جیسے احمدیت کو ترقی ہوگی ویسے ویسے اسلام بھی ترقی کرتا چلا جائے گا اور جوں جوں اسلام دنیا میں ترقی کرے گا توں توں دنیا بھی مذہبی اور سیاسی اور تمدنی اور اقتصادی پہلوؤں سے ترقی کرتی چلی جائے گی کیونکہ اسلام باقی اقوام کو مٹا کر مسلمانوں کو نہیں بڑھاتا بلکہ باقی اقوام کو بڑھا کر مسلمانوں کو اور آگے لے جاتا ہے۔ چنانچہ جب کبھی دنیا میں اسلامی اصول پر ترقی ہوگی ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کی بھی ترقی ہوگی بلکہ دنیا کے ہر مذہب کے متبع کیلئے ترقی کے راستے کھولے جائیں گے اور ہر شخص کیلئے خواہ وہ کسی مذہب وملت کا پابند ہو ترقی کی طرف قدم بڑھانے کی گنجائش رکھی جائے گی۔

بعض نادان اپنی جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے ہمیشہ ایسے موقع پر قادیان کا حوالہ دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں آئندہ تو جو ہوگا سو ہوگا ابھی آپ کو قادیان میں تھوڑا سا غلبہ حاصل ہے اور آپ نے اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں سے لین دین پر پابندی عائد کر رکھی ہے حالانکہ میں نے بارہا بتایا ہے کہ یہ پابندی محض بعض فسادات سے بچنے کی وجہ سے عائد کی گئی ہے ورنہ ہم قادیان سے باہر ہر جگہ ہندوؤں اور سکھوں سے لین دین رکھتے ہیں۔ گو یہ قدرتی بات ہے کہ انسان اپنی قوم کو ترجیح دیتا ہے اور ہم بھی تجارتی لین دین میں ایک مسلمان کہلانے والے کو فائدہ پہنچانا پسند کرتے ہیں لیکن بہرحال ہمارا ہندوؤں اور سکھوں سے کوئی مقاطعہ نہیں ہوتا اور ہم ان سے کھلے طور پر لین دین رکھتے ہیں۔ قادیان میں اگر یہ پابندی عائد ہے تو صرف دفاعی طور پر ورنہ ہم نے ان کا مقاطعہ اب بھی نہیں کیا ہوا بلکہ ایسے ہندو اور سکھ جو ہماری ناواجب مخالفت نہیں کرتے ان سے ہمارا لین دین قادیان میں بھی جاری ہے اور میں قادیان کی حالت کو بھی جیسا کہ اشارہ کر چکا ہوں جلد سے جلد بدلنا چاہتا ہوں اور یہاں کے قوانین میں بھی اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔

لیکن میری عادت ہے کہ جب دشمن کی تلوار سر پر لٹک رہی ہو تو اس وقت میں اس کی بات نہیں مانا کرتا اور مجھے افسوس ہے کہ جب کبھی یہاں کے بزرگوں نے مجھ سے صلح کرنے کی کوشش کی ہے تو ہمیشہ ایسی صورت میں کہ پہلے کوئی ہم پر مقدمہ کرا دیا یا فساد کھڑا کرا دیا اور پھر چاہا کہ ہم سے سمجھوتہ کر لیں حالانکہ میں ایسے مواقع پر سمجھوتہ نہیں کیا کرتا میں ہمیشہ ایسے موقع پر ہی سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہوا کرتا ہوں جب میرا ہاتھ دینے والا ہو اور ان کا ہاتھ لینے والا ہو لیکن جب کوئی ڈنڈا لے کر میرے سر پر آ چڑھے اور کہے کہ مجھ سے صلح کرو تو پھر میں اس کی بات نہیں مانا کرتا۔

مجھے تعجب آتا ہے کہ میری عمر پچاس سال کے قریب ہونے کو آ گئی، صرف چند ماہ اس میں باقی ہیں اور میں تمام عمر اس قادیان میں رہا، یہیں پیدا ہوا، یہیں بڑھا، یہیں جوان ہوا اور یہیں پچاس سال کی عمر تک پہنچا مگر اب تک یہاں کے ہندوؤں اور سکھوں نے میری طبیعت کو نہیں سمجھا۔ میری طبیعت یہ ہے اور یہی طبیعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بھی تھی بلکہ دینی لحاظ سے

گو حالت کچھ ہی ہو یہی طبیعت ہمارے دادا صاحب کی بھی تھی کہ وہ کسی کے ساتھ دَب کر صلح نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے خاندان نے دو حکومتوں کے تغیر کے وقت سخت نقصان اٹھایا ہے جب سکھ آئے تب بھی اور جب انگریز آئے تب بھی کیونکہ یہ ہماری طبیعت کے خلاف ہے کہ ہم کسی کے سامنے سر جھُکا کر کھڑے ہوں اس لئے جب سکھ آئے تو نہ سکھوں کے آگے ہم جی حضور کرتے رہے اور نہ جب انگریز آئے تو انگریزوں کے آگے ہم نے جی حضور کیا گو ہمارے خاندان نے سکھوں اور انگریزوں دونوں سے تعاون بھی کیا اور ان کی مدد بھی کی اور ان لوگوں سے زیادہ مدد کی جو جی حضور کرتے رہتے تھے مگر پھر بھی کبھی انگریزوں کے آگے گردن جھُکا کر کھڑے نہیں ہوئے۔ یہ ایک خاندانی اثر ہے جو میرے اندر پایا جاتا ہے اور مذہب نے اسے اور زیادہ رنگ دے دیا ہے۔ تو اگر یہاں کے ہندو اور سکھ درست طریقِ عمل اختیار کرتے تو یقیناً باہمی جھگڑے اس حد تک نہ پہنچتے جس حد تک اب پہنچے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ پہلے دھمکی دی اور پھر صلح کرنے کی خواہش کی اور دھمکی سننے کے بعد فطرتاً میں صلح کرنے سے انکار پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔ پس گو مَیں نے کئی دفعہ کوشش کی کہ ہم میں صلح ہو جائے۔ مگر حالات ہمیشہ اس رنگ میں بدلتے رہے کہ ان کی کوئی نہ کوئی دھمکی میرے سامنے آ گئی اور میں اپنا قدم پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو گیا۔ مثلاً جب مذبح کا سوال اٹھا اس وقت میری نیت یہی تھی کہ میں قادیان میں مذبح جاری نہیں ہونے دوں گا مگر بغیر میری اجازت کے بعض لوگوں نے مذبح کھلوانے کے متعلق درخواستیں دے دیں اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سکھ لوگ جھٹکا کی دکان کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے اس وقت صلح کی کوشش کی۔ لیکن ابھی میری کوشش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تھا کہ میں چند روز کے لئے لاہور چلا گیا۔ وہاں قادیان کے بعض ہندوؤں کا ایک وفد میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے شکایت کی کہ قادیان میں مذبح کھلنے والا ہے میں اس کا تدارک کروں۔ میں نے ان سے کہا کہ ایک طرف آپ لوگ اپنی مشکلات کو پیش کر رہے ہیں اور دوسری طرف سکھوں نے جھٹکا کا کام شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ ان حالات میں مَیں قادیان جا کر اور فریقین کے حالات سن کر ہی کوئی فیصلہ کر سکتا ہوں اور انہیں تسلی دلائی کہ جس حد تک ممکن ہوگا میں ایسی صورت اختیار کروں گا کہ طرفین کی ضروریات اور احساسات کا لحاظ رکھا جائے

پس آپ قادیان میں مجھ سے ملیں ۔ چنانچہ میں اپنا سفر منقطع کر کے دوسرے ہی دن قادیان آ گیا حالانکہ میرے برادر نسبتی میجر تقی الدین احمد صاحب انہی دنوں ولایت سے پڑھ کر آئے تھے اور قدرتی طور پر ان کی ہمشیرہ کے دل میں یہ تڑپ تھی کہ وہ اپنے بھائی کے پاس چند دن رہیں مگر معاً وہاں کی اقامت کو قطع کر کے میں واپس آ گیا مگر انہیں نہ معلوم کس نے ورغلا دیا کہ باوجود اس کے کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ قادیان میں مجھ سے ملیں اور باوجودیکہ میں ان کی خاطر سفر منقطع کر کے واپس آ گیا تھا، وہ مجھ سے ملنے نہ آئے ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب بات اور زیادہ پختہ ہوگئی تو پھر ہندوؤں کا ایک وفد میرے پاس آیا ۔ میں نے ان سے کہا کہ اب کئی قوموں کا سوال پیدا ہو چکا ہے ۔ ایک طرف غیر احمدیوں نے اس معاملہ میں ہمارا ساتھ دیا ہے دوسری طرف سکھوں نے جھٹکہ کا سوال چھیڑ کر میری پوزیشن نازک کر دی ہے کیونکہ ذبیحہ گائے کا روکنا احساسات کے احترام پر مبنی ہے اور مسلمانوں میں یہ شکایت پیدا ہو چکی ہے کہ جب دوسرا فریق ہمارے احساسات کا خیال نہیں رکھتا تو ہمیں اس کے احساسات کے لئے اس قدر بڑی قربانی کرنے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے ۔ پس میں نے ان سے کہا کہ آپ مجھے سکھوں سے اور اپنی جماعت کے علاوہ دوسرے مسلمانوں سے بات کرنے کا موقع دیں میں دونوں فریقوں کو سمجھا کر ایسی صورت پیدا کروں گا کہ آپ لوگوں کی دل شکنی نہ ہو ۔ میں نے انہیں یہ بھی کہا کہ میں نے اپنے ذہن میں ایسی سکیم سوچ بھی لی ہے جس سے احمدیوں اور غیر احمدیوں کی بھی دلجوئی ہو جائے گی اور سکھ بھی مان جائیں گے مگر میں نے کہا کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ سکھ مجھ سے الگ ملیں اور آپ الگ، اگر آپ اکٹھے ہو کر میرے پاس آئے تو معاملہ بگڑ جائے گا کیونکہ سکھوں میں سے کچھ لوگ آپ سے یہ کہتے رہے ہیں کہ ہم خون کی ندیاں بہا دیں گے مگر مذبح نہیں بننے دیں گے ۔ جب وہ آپ لوگوں کے سامنے ہوں گے تو انہیں وہ باتیں یاد آ جائیں گی اور وہ اپنی زبان بدلنے میں شرم محسوس کریں گے ۔ پس مناسب ہے کہ میں ان سے الگ بات کروں ۔ چنانچہ اس پر وہ لوگ چلے گئے اور میں نے اپنے ذہن میں ایک سکیم سوچ لی جس پر عمل کرنے کے نتیجہ میں مَیں سمجھتا تھا کہ تینوں قوموں کی دلجوئی ہو جائے گی لیکن میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب دوسرے تیسرے دن ایک آریہ صاحب دو سکھوں کو لے کر میرے پاس

آئے اور کہنے لگے آپ سکھوں سے بات کرنا چاہتے تھے سو یہ لوگ آ گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ میں خود قادیان کے سکھوں کو بلواؤں گا، یہ تو نہیں کہا تھا کہ آپ انہیں لے آئیں لیکن بہرحال میں نے اُن سے گفتگو شروع کر دی اور میں نے کہہ دیا کہ اب اس گفت وشنید کا جو نتیجہ نکلے اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہوگی کیونکہ میری ہدایت کے خلاف کام کیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جو صاحب سکھوں کو میرے پاس لائے تھے وہ ایسے ہی تھے جو صلح نہیں کرنا چاہتے تھے اور وہ لڑائی جھگڑے کے متعلق متہم تھے۔ چنانچہ وہی ہؤا جس کا خطرہ تھا۔ میں ان سے گفتگو کے دوران یہ ذکر کر رہا تھا کہ میرے دادا صاحب نے اور بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اور ان کے بعد میں نے بھی قادیان میں گائے کے ذبیحہ کو محض اس وجہ سے روکے رکھا کہ اس وقت تک اس کی اقتصادی طور پر زیادہ ضرورت معلوم نہیں ہوتی تھی اور ہم پسند نہیں کرتے تھے کہ خواہ مخواہ ہماری ہمسایہ اقوام کا دل دُکھایا جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب بعض لوگوں نے قادیان کے ایک ملحقہ گاؤں سے مذبح کی درخواست دی تو میں نے خود ڈپٹی کمشنر صاحب کو کہلوا کر مذبح کو رکوا دیا تھا۔ اس پر ایک سکھ صاحب بولے آپ بالکل غلط کہتے ہیں آپ نے ہمیشہ مذبح کے کھولے جانے پر زور دیا ہے مگر جب چاروں طرف سے ناکامی ہوئی تو آپ نے اب یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ میں نے خود مذبح کو رکوایا تھا۔ میں نے ان ہندو صاحب کی طرف دیکھا اور کہا دیکھ لیا مَیں نہ کہتا تھا کہ آپ مجھے اکٹھے نہ ملیں ورنہ صلح کی گفتگو درمیان میں ہی رہ جائے گی۔ اس پر دوسرے سکھ صاحب جو جتھے دار تھے وہ کہنے لگے ان کی بات جانے دیجئے یہ بڑی جلدی غصہ میں آجاتے ہیں اور بات کو سمجھتے نہیں۔ اب میں آپ سے گفتگو کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ غصہ میں آنے والے احباب فرمانے لگے صلح بڑی اچھی چیز ہے۔ میں نے کہا یقیناً۔ وہ کہنے لگے پھر کوئی ایسی کوشش ہونی چاہئے جس سے یہ مذبح کا سوال جاتا رہے۔ یہاں تک تو بڑی اچھی گفتگو تھی مگر اس کے معاً بعد وہ کہنے لگے ورنہ یاد رکھئے سکھ یا مر جائیں گے یا مار دیں گے اور خون کی ندیاں بہا دیں گے۔ میں نے کہا بس پہلے آپ اس فقرہ کو پورا کر لیں۔ آپ نے جتنی ندیاں بہانی ہیں وہ بہا لیں اور اگر ایسی دھمکیوں سے ہی مذبح کو روکنا چاہتے ہیں تو روک کر دیکھ لیں میں اس سے ہرگز نہیں رکوں گا۔ چنانچہ وہ اٹھ کر چلے گئے

اور پھر جیسا کہ ساری دنیا کو معلوم ہے مذبح بنا اور اب تک خدا تعالیٰ کے فضل سے جاری ہے۔
اب دیکھ لو کس طرح بات کو بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے پھر بھی کوشش
جاری رکھی اور ایک اشتہار شائع کیا جس میں ہندوؤں اور سکھوں کو مخاطب کر کے لکھا کہ آپ
کے نزدیک اگر کوئی ایسی راہ ہے جس سے مسلمان اپنی ضروری غذا کو بھی حاصل کر سکیں، ان کی
مذہبی اور اخلاقی حالت بھی درست رہے اور ان کے ہمسایوں کے جذبات بھی ناواجب طور پر
زخمی نہ ہوں مجھے اس سے مطلع کیا جائے میں ہر وہ تجویز جس سے ہندوؤں اور سکھوں کے احساسات
کا ممکن سے ممکن حد تک خیال رکھ کر مذبح کو جاری کیا جا سکے قبول کرنے کے لئے تیار ہوں اور
اس پر جہاں تک میرا اختیار اور میری طاقت ہے عمل کرنے کا میں ذمہ دار ہوں گا مگر ضروری ہے
کہ ایسا قاعدہ صرف قادیان کے لئے نہ ہو بلکہ ہر جگہ کے لئے ہو کیونکہ اگر قادیان میں امن ہو
جائے لیکن باقی ملک میں فسادات ہوتے رہیں تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ پس چاہئے کہ ہم
ایک عام قاعدہ بنا لیں اور اس کے مطابق قادیان میں بھی عمل ہو اور دوسری جگہوں میں
بھی۔ میں نے انہیں یہ بھی لکھا کہ اگر فلاں تاریخ تک اس کا جواب مجھے نہ ملا تو اس کا مطلب یہ
ہوگا کہ آپ صلح کی خواہش نہیں رکھتے۔ میرے اس خط پر دو سکھ لیڈروں نے اور ایک بہت بڑے
ہندو لیڈر نے جواب دیا، میں ان صاحبان کا نام نہیں لیتا کہ تا ان کی پوزیشن خراب نہ ہو،
ہندو لیڈر صاحب نے جو اس وقت ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں میں سے ہیں لکھا کہ مجھے
معلوم ہے آپ ہمیشہ ہندوؤں سے نیک سلوک کرتے چلے آئے ہیں اور میں آپ سے اپیل کرتا
ہوں کہ اس موقع پر بھی آپ ہی صلح کی کوشش کریں اور ہندوؤں نے اگر کوئی زیادتی کی ہے تو
معاف کر دیں۔ سکھ لیڈروں میں سے ایک سکھ لیڈر نے جو بہت بڑے زمیندار ہیں اور سر کا خطاب
بھی رکھتے ہیں انہوں نے یہ جواب دیا کہ آج کل مَیں شملہ میں ہوں۔ میں پنجاب میں آ کر اس
جھگڑے کا کوئی نہ کوئی فیصلہ کروں گا آپ مجھے کچھ مزید مہلت دیں۔ دوسرے سکھ لیڈر نے جو
سکھوں کے مذہبی لیڈر اور ایک بڑی تعلیم گاہ کے ایک بہت بڑے عہدیدار ہیں مجھے لکھا کہ ہم کو
گائے سے کوئی تعلق نہیں، یہ نادانوں کی باتیں ہیں کہ وہ ذبیحہ گائے کو ناپسند کرتے ہیں سکھوں کا
ایسی باتوں سے کوئی واسطہ نہیں ہمارے نزدیک چاہے مذبح کُھلے یا نہ کُھلے یکساں بات ہے۔

یہ سکھوں کے ایک بہت بڑے مذہبی لیڈر کے خیالات تھے مگر میں نے اس خط کو شائع نہیں کیا تا کہ سکھوں میں ان کی پوزیشن کمزور نہ ہو جائے۔ بہرحال ان خطوط میں سے صرف ایک خط ہی ایسا تھا جس کے جواب کا مجھے مزید انتظار کرنا چاہئے تھا چنانچہ میں نے ایک لمبے عرصے تک انتظار بھی کیا مگر ان صاحب نے سمجھوتہ کی کوئی کوشش نہ کی۔ غالبًا انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب معاملہ دب گیا ہوگا کیونکہ شملہ سے نیچے اتر کر انہوں نے پھر بھی خبر نہ دی کہ میں پنجاب آ گیا ہوں اور اس جھگڑے کا فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد پھر میرے پاس ہندوؤں کے وفود آئے مگر میں نے انہیں یہی کہا کہ اگر کوئی فیصلہ کرنا ہے تو اکٹھا کر لو۔ یعنی یہ نہ ہو کہ وہ صرف قادیان کے متعلق ہو بلکہ وہ فیصلہ ہر جگہ کے متعلق ہونا چاہئے اگر یہ فیصلہ ہو کہ مذبح نہیں کھلنا چاہئے تو ہم اپنا بنا بنایا مذبح بند کرا دیں گے اور اگر بعض شرائط کے ساتھ مذبح کے کھلنے کا فیصلہ ہو تو ان شرائط کا لحاظ رکھیں گے۔ مگر جس رنگ میں آپ لوگوں کی طرف سے کوشش کی جاتی ہے یہ صحیح نہیں اور میں اس طرح ماننے کے لئے تیار نہیں۔ یہی حال لین دین کے معاملات کا بھی ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ پابندی ہندوؤں پر اتنی گراں نہیں گزرتی جتنی مجھ پر گزرتی ہے۔ مجھ سے کئی ہندو لیڈروں نے جب اس کے متعلق گفتگو کی ہے تو میں نے انہیں کہا ہے کہ آپ قادیان آئیں اور قومیت کے خیال کو نظر انداز کرتے ہوئے دیانت داری اور انصاف کے ساتھ تمام حالات کو دیکھ کر فیصلہ کریں۔ پھر آپ پر خودبخود روشن ہو جائے گا کہ ہماری زیادتی ہے یا نہیں مگر کسی نے یہ جرأت نہیں کی کہ وہ قادیان آئے اور بچشم خود حالات دیکھ کر اور تمام واقعات سن کر رائے قائم کرے۔ اور اگر کسی نے حالات سنے ہیں تو اس نے اقرار کیا ہے کہ ان حالات میں آپ نے جو پابندی عائد کی ہے اس میں آپ حق بجانب ہیں۔ تو یہاں کے ہندوؤں اور سکھوں کی جو مثال ہے وہ بالکل اور رنگ رکھتی ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ احمدیت کی ترقی سے دوسری قوموں کا تنزل نہیں بلکہ ان کی ترقی ہے اور احمدیت کی ترقی میں اسلام کی ترقی ہے اور اسلام کی ترقی میں دنیا کی ترقی ہے۔ تیرہ سو سال کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ اسلام نے جب بھی ترقی کی دوسری اقوام کو بھی اس نے ترقی کی شاہراہ پر لا ڈالا اور کسی قوم کو اس نے نہیں گرایا۔ آج دنیا پر نگاہ دوڑا کر دیکھ لو یہود کا کیسا عبرت ناک حال ہے مگر تیرہ سَو سال تک مسلمانوں نے اس قوم کو

اپنے ممالک میں آباد رکھا ہے۔اس کے مقابلہ میں جرمنی ایک سو سال تک بھی یہود کا اپنے اندر رہنا برداشت نہیں کر سکا اور آج بھی اگر عرب فسلطین میں یہود کے داخلہ کے خلاف ہیں تو اس لئے نہیں کہ یہود کو فلسطین میں بسایا کیوں جاتا ہے بلکہ اس لئے کہ انہیں اس رنگ میں بسایا جاتا ہے کہ یہود کی آبادی بڑھ جائے اور مسلمانوں کی آبادی کم ہو جائے اور یہ واقع میں ایک ایسا امر ہے جسے کوئی قوم برداشت نہیں کر سکتی۔ ورنہ رہنے کے متعلق جھگڑا نہیں یہود پہلے بھی فلسطین میں رہتے تھے۔اب اگر جھگڑا ہے تو یہ کہ انہیں ایسے رنگ میں بسایا جاتا ہے کہ چند سال میں مسلمان جو پچاسی فیصدی تھے اقلیت میں بدل جائیں اور یہود اکثریت میں ہو جائیں اور کسی قوم کے لئے یہ برداشت کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے کہ جہاں وہ طاقتور ہو وہاں اسے کمزور کر دیا جائے اور کمزور کو طاقتور بنا دیا جائے۔

غرض احمدیت کی ترقی کے ساتھ اسلام کی ترقی اور اسلام کی ترقی کے ساتھ دنیا کی ترقی وابستہ ہے اور احمدیت کی ترقی کیلئے دو کام کرنے نہایت ضروری ہیں۔ایک تعلیم و تربیت کا اور دوسرا تبلیغ و اشاعت کا،ان کے بغیر جماعت نہ پھیل سکتی ہے اور نہ اس کے پھیلنے کا کوئی فائدہ ہے۔یعنی تبلیغ کے بغیر جماعت کی ترقی نہیں ہو سکتی اور صحیح تربیت کے بغیر احمدیت کا پھیلنا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔فرض کرو احمدی ساری دنیا میں پھیل جائیں مگر مذہبی، سیاسی، اقتصادی، تمدنی اور تعلیمی ماحول وہی رہے جو پہلے تھے تو ایسی احمدیت کے پھیلنے کا کیا فائدہ اور اگر احمدیوں میں وہ روح نہ ہو جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اور ایک ظالم کی بجائے اگر دوسرا ظالم کھڑا ہو گیا تو اس سے بنی نوع انسان کو کیا فائدہ پہنچے گا۔پس تبلیغ اور تعلیم و تربیت دو ہی نہایت ہی اہم کام ہیں اور انہی دونوں کاموں کو تحریک جدید میں مدنظر رکھا گیا ہے۔تعلیم و تربیت کو مدنظر رکھتے ہوئے سادہ غذا، سادہ لباس، خود ہاتھ سے کام کرنا، سینما کا ترک، غریبوں کی امداد، بورڈنگ تحریک جدید اور ورثہ وغیرہ کام تجویز کئے گئے ہیں اور یہ تمام باتیں ایسی ہیں جن کو کسی وقت بھی ترک نہیں کیا جا سکتا۔بعض تو موجودہ صورت میں ہی ہر وقت قابلِ عمل رہیں گی اور انہیں کسی صورت میں بھی چھوڑا نہیں جا سکے گا لیکن بعض میں حالات کے ماتحت کچھ تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔عملی طور پر بعض حصوں کے متعلق مجلس خدام الاحمدیہ جدوجہد کر رہی ہے

اور جہاں تک اس کے ایک سال کے کام کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس نے نہایت شاندار کام کیا ہے اور اگر وہ اسی طرح استقلال سے کام جاری رکھے اور نہ صرف اپنے موجودہ معیار کو قائم رکھے بلکہ اسے بڑھاتی چلی جائے تو وہ ایک عمدہ نمونہ قائم کرسکتی ہے۔ مجالس خدام الاحمدیہ کے نوجوانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کے کام کے اثرات صرف موجودہ زمانہ کے لوگوں تک ہی محدود نہیں رہیں گے بلکہ اگر وہ اسی خوش دلی اور اخلاص سے کام جاری رکھیں گے تو آئندہ نسلوں تک ان کے نیک اثرات جائیں گے اور جس طرح آج صحابہ کا ذکر آنے پر بے اختیار رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ کا فقرہ زبان سے نکل جاتا ہے اسی طرح ان کا نام لے کر آئندہ آنے والی نسلوں کا دل خوشی سے بھر جائے گا اور وہ ان کی ترقی مدارج کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کریں گے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ جس کام کو شروع کریں اسے استقلال سے کرتے چلے جائیں۔ جو شخص بھی اس جدوجہد میں کھڑا ہوگا وہ گر جائے گا اور سلامت وہی رہے گا جو اپنے قدم کی تیزی میں کمی نہیں آنے دے گا۔ مجلس خدام الاحمدیہ تحریک جدید کی فوج ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس فوج میں داخل ہونگے اور اپنی عملی جدوجہد سے ثابت کر دیں گے کہ انہوں نے اپنے فرائض کو سمجھا ہوا ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرا پہلو تبلیغ واشاعت کا ہے اور اس کیلئے وقف زندگی، وقف رخصت اور دوسرے ممالک میں احمدیوں کے پھیل جانے اور چندہ جمع کرنے کی تحریک کی گئی ہے۔ چندے کی تحریک گو جماعت کی تعلیم وتربیت کے لحاظ سے بھی ضروری ہے مگر اس کو زیادہ تر تبلیغ کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک تحریک اپنی اپنی جگہ نہایت اہم اور ضروری ہے اور میں اپنے موقع پر پھر دوبارہ ان تمام مطالبات کی طرف جماعت کو توجہ دلانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

تیسری چیز جوان دو مقاصد کے علاوہ ہے اور جو تبلیغ واشاعت اور تعلیم وتربیت کیلئے مُمِد ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ یہ سب کام خدا تعالیٰ کیلئے ہیں اس لئے اس سے دعائیں کی جائیں کہ وہ ہمیں کامیابی عطا فرمائے اور چونکہ بعض دفعہ انسان اپنے جوش میں اور فتح کے نشہ میں اس امر کو بھول جاتا ہے کہ تمام کامیابی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوئی ہے اور اس کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ یہ فتح شاید میری جدوجہد کا نتیجہ ہے اسلئے روزوں کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے

تا ہماری جماعت کے دوست یہ سمجھیں کہ جو کچھ ہؤا ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہؤا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا وہ بھی اُسی کے فضل سے ہوگا تا ایک طرف فتح کے نتیجہ میں جو بعض دفعہ کبر اور غرور پیدا ہو جاتا ہے وہ پیدا نہ ہو اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے احسانات کے متعلق شکر کا جذبہ دل میں موجزن ہو۔

یہ تحریک جدید کا مکمل ڈھانچہ ہے جس کا ایک پہلو تعلیم و تربیت ہے دوسرا پہلو تبلیغ و اشاعت اور تیسرا پہلو دعا اور روزے ہیں تا جتنا کام بھی ہو اس یقین اور وثوق کے ساتھ ہو کہ یہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہؤا ہے اور ہم آئندہ کی کامیابیوں کے لئے بھی اسی کی طرف اپنی توجہ رکھیں اور اس سے دعا کرتے رہیں کہ وہ ہماری مدد فرمائے۔

مَیں گزشتہ خطبات میں بتا چکا ہوں کہ پہلے دور میں ہماری جماعت نے بے مثل نمونہ دکھایا ہے اور اس نے ایسی غیر معمولی قربانی اور جوش کا ثبوت دیا ہے کہ جس کا دشمن کو بھی اقرار ہے مگر میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ یہ کام زمین صاف کرنے کا تھا۔ اتنے کام پر ہی خوش ہو جانا اور اپنی تمام جدوجہد کو ختم کر دینا اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیں کسی نیک نامی کا مستحق نہیں بلکہ كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا[1] کا مصداق بنانے والا ہے۔ وہ عورت بھی آخر کچھ نہ کچھ کام کیا ہی کرتی تھی اور محنت کر کے سُوت کاتا کرتی تھی مگر چونکہ جب کام کا وقت آتا تو وہ اپنے سُوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی اس لئے اس کی محنت اس کے کسی کام نہیں آتی تھی۔ ہم نے بھی پہلے دور میں سُوت کاتا ہے لیکن دوسرے دور میں ہم نے اس سُوت کے کپڑے بننے اور نہ صرف خود پہننے بلکہ دوسروں کو بھی پہنانے ہیں اگر اس دور میں ہم نے سُستی دکھائی تو یقیناً ہماری ساری محنت رائیگاں جائے گی اور ہمیں جس قدر نیک نامی حاصل ہو چکی ہے وہ سب بدنامی سے بدل جائے گی۔

اس دوسرے دور میں مجھے بعض لوگ سُست نظر آتے ہیں مگر میرے لئے یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ میں نے اس تحریک کے شروع میں ہی بتایا تھا کہ کچھ لوگ وقتی مؤمن ہؤا کرتے ہیں اور ایسے وقتی مؤمن ہر جماعت میں ہؤا کرتے ہیں اور وقتی مؤمن سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو لڑائی جھگڑے کے وقت تو آگے آجاتے ہیں مگر جب مستقل اور لمبی قربانیوں کا موقع آتا ہے

تو پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ جان دینے کیلئے تو فوراً تیار ہو جائیں گے اور اگر جنگ ہو اور انہیں کہا جائے کہ فوج میں بھرتی ہو جاؤ اور ملک کی عزت کیلئے جان دے دو تو وہ بالکل نڈر ہو کر فوج میں شامل ہو جائیں گے اور دشمن سے لڑ کر اپنی جان دے دیں گے لیکن اگر انہیں کہا جائے کہ پندرہ منٹ یا آدھ گھنٹہ روزانہ فلاں کام کیلئے وقت دو تو چند دنوں کے بعد ہی وہ عذرات پیش کر دیں گے کہ آج ہماری بیوی بیمار ہے، آج بچے اچھے نہیں، آج اپنی طبیعت ناساز ہے اور اس طرح وہ کام سے بچنا شروع کر دیں گے۔ یہ وقتی اور ہنگامی مؤمن ہوتے ہیں اور یہ ہنگامی مؤمن ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام آئے تو اُن کی جماعت میں بھی یہ ہنگامی مؤمن تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو اُن کی جماعت میں بھی یہ ہنگامی مؤمن تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو اُن کے ساتھ بھی کچھ ہنگامی مؤمن تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو اُن کی جماعت میں بھی کچھ ہنگامی مؤمن تھے پھر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کے ساتھ بھی بعض ہنگامی مؤمن تھے۔ یہی ہنگامی مؤمن کبھی کبھی منافق بھی بن جاتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک تو مستقل منافق ہوتا ہے اور ایک یہ ہنگامی مؤمن ہوتا ہے جو بعض دفعہ جوش میں آ کر مؤمنانہ کام کر لیتا ہے اور بعض دفعہ ایسی حرکات کا ارتکاب کر لیتا ہے جن سے خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر ناراض کر لیتا ہے اور منافق بن جاتا ہے۔ پس ہنگامی مؤمن کا انجام محفوظ نہیں ہوتا لیکن جو مستقل مؤمن ہوں ان کا انجام خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور انہیں ہر قسم کے بدانجام سے بچا لیتا ہے۔

سُستوں کا ہر جماعت میں ہونا لازمی ہوتا ہے مگر ان کی وجہ سے کام کو نقصان نہ پہنچنے دینا ہمارا فرض ہے اور ان لوگوں کی اصلاح ہم پر لازمی ہے اور ہم یہ کہہ کر ہرگز بری نہیں ہو سکتے کہ ہم نے قربانی کر دی ہے، اگر چند لوگوں نے قربانی نہیں کی تو ہم کیا کریں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں بیدار کرتے رہیں، ان کی نیند اور غفلت کو دور کریں اور انہیں چُست اور ہوشیار بنائیں اگر ہم اپنی اس ڈیوٹی کو چھوڑ دیں تو ہم خدا تعالیٰ کے بھی مجرم ہونگے اور اپنی قوم اور اپنے نفس کے بھی مجرم ہونگے اس لئے میں ہمیشہ ایسے لوگوں کو چست کرتا رہتا ہوں اور جو پہلے ہی

بیدار ہوں انہیں اور زیادہ بیدار کرتا رہتا ہوں تا کہ وہ بھی کسی وقت سست نہ ہو جائیں۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم ان لوگوں کو جو سست ہیں چست اور ہوشیار بنائیں اور جو چست ہیں انہیں وقتی مؤمنوں کی صف سے نکال کر کامل الایمان لوگوں کے ساتھ شامل کریں اور اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم دوہرے ثواب اور دوہرے اجر کے مستحق ہونگے لیکن اگر ہم اپنے اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں تو ہم یہ کہہ کر ہرگز بری نہیں ہو سکتے کہ ہم تو بچ گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سے پوچھے گا کہ تم تو بے شک بچ گئے لیکن جن اور لوگوں کو بچانا تمہاری طاقت میں تھا ان کو تم نے کیوں نہیں بچایا۔

میں تحریک جدید کے دورِ ثانی میں مستقل کام کی داغ بیل ڈالنے کیلئے مالی تحریک کے علاوہ کہ وہ بھی مستقل ہے ایک مستقل جماعت واقفین کی تیار کر رہا ہوں۔ دورِ اول میں مَیں نے کہا تھا کہ نوجوان تین سال کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں مگر دورِ ثانی میں وقف عمر بھر کیلئے ہے اور اب یہ واقفین کا ہرگز حق نہیں کہ وہ خود بخود کام چھوڑ کر چلے جائیں ہاں ہمیں اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ اگر ہم انہیں کام کے ناقابل جانیں تو انہیں الگ کر دیں۔ پس یہ سہ سالہ واقفین نہیں بلکہ جس طرح یہ دور مستقل ہے اسی طرح یہ وقف بھی مستقل ہے۔ اس دور میں کام کی اہمیت کے پیشِ نظر میں نے یہ شرط عائد کر دی ہے کہ صرف وہی نوجوان لئے جائیں گے جو یا تو گریجوایٹ ہوں یا مولوی فاضل ہوں اور جو نہ گریجوایٹ ہوں اور نہ مولوی فاضل انہیں نہیں لیا جائے گا کیونکہ ان لوگوں نے علمی کام کرنے ہیں اور اس کے لئے یا تو دینی علم کی ضرورت ہے یا دنیوی علم کی۔ اس دور میں تین چار آدمیوں کو منہا کر کے کہ وہ گریجوایٹ نہیں کیونکہ وہ پہلے دور کے بقیہ واقفین میں سے ہیں باقی سب یا تو گریجوایٹ ہیں یا مولوی فاضل ہیں۔ چنانچہ اس وقت چار گریجوایٹ ہیں اور چار ہی مولوی فاضل ہیں۔ کل غالباً بارہ نوجوان ہیں۔ چار ان میں سے غیر گریجوایٹ ہیں مگر ہیں سب ایسے ہی جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے محنت سے کام کرنے والے اور سلسلہ سے محبت رکھنے والے ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ جس رنگ میں یہ کام کر رہے ہیں۔ اس کے ماتحت یہ ان علمی کاموں کو سرانجام دے دیں گے جو علمی کام میرے مدنظر ہیں۔

میرا ارادہ ہے کہ اس جماعت کا پہلا دور 24 نوجوانوں پر مشتمل ہو کیونکہ کام کے لحاظ سے

اس سے کم میں ہمارا گزارہ نہیں ہوسکتا اس کیلئے میں عنقریب تحریک کرنے والا ہوں بلکہ اس خطبہ کے ذریعہ میں تحریک کر دیتا ہوں کہ جو نوجوان گریجوایٹ ہوں یا مولوی فاضل وہ اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کرنے کے ارادہ سے میرے سامنے اپنے نام پیش کریں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو بھی گریجوایٹ یا مولوی فاضل ہوگا اسے ہم بہرحال لے لیں گے کیونکہ انتخاب ہماری مرضی پر ہے۔ ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ ان کا تقویٰ کیسا ہے، خدمت دین کا جذبہ کس حد تک ہے، علم کیسا ہے، صحت کیسی ہے، ان کے حالات کس قسم کے ہیں اور آیا جو کام ہمارے مدِّ نظر ہے اسے وہ خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتے ہیں یا نہیں۔ غرض تمام باتیں دیکھنی پڑیں گی اور اس طرح انتخاب کا معاملہ کُلّیۃً ہماری مرضی پر منحصر ہوگا لیکن لئے وہی جائیں گے جو یا تو گریجوایٹ ہوں یا مولوی فاضل ہوں۔ اس طرح وہ لوگ بھی لئے جاسکیں گے جو دوسرے فنون کے گریجوایٹ ہوں۔ مثلاً ایک ڈاکٹر ہے وہ خواہ، بی۔اے نہ ہو لیکن اسے گریجوایٹ ہی سمجھا جائے گا۔ میرا منشاء یہ ہے کہ ان میں سے بعض کو مرکز کے علاوہ باہر بھجوا کر اعلیٰ تعلیم دلوائی جائے اور علمی اور عملی لحاظ سے اس پایہ کے نوجوان تیار کئے جائیں جو تبلیغ، تعلیم اور تربیت کے کام میں دنیا کے بہترین نوجوانوں کا مقابلہ کرسکیں بلکہ ان سے فائق ہوں۔ صرف انہیں مذہبی تعلیم ہی دینا میرے مدنظر نہیں بلکہ میرا منشاء ہے کہ انہیں ہر قسم کی دنیوی معلومات بہم پہنچائی جائیں اور دنیا کے تمام علوم انہیں سکھائے جائیں تا دنیا کے ہر کام کو سنبھالنے کی اہلیت ان کے اندر پیدا ہوجائے۔ ان نوجوانوں کے متعلق میری سکیم جیسا کہ میں گزشتہ مجلس شوریٰ کے موقع پر بیان کرچکا ہوں یہ ہے کہ اُنہیں یورپین ممالک میں بھیج کر اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلائی جائے اور جب یہ ہر قسم کے علوم میں ماہر ہوجائیں تو انہیں تنخواہیں نہ دی جائیں بلکہ صرف گزارے دیئے جائیں اور ان کے گزارہ کی رقم کا انحصار علمی قابلیت کی بجائے گھر کے آدمیوں پر ہو جیسا کہ صحابہؓ کے زمانہ میں ہؤا کرتا تھا اور یوں انتظام ہو کہ جس کی بیوی ہوئی یا بچے ہوئے اسے زیادہ الاؤنس دے دیا اور جس کے بیوی، بچے نہ ہوئے اُسے کم گزارہ دے دیا یا کسی نوجوان کی شادی ہونے لگی تو اسے تھوڑی سی امداد دے دی۔ یہ نہیں ہوگا کہ چونکہ فلاں ولایت سے پاس شدہ ہے اس لئے اسے زیادہ تنخواہ دی جائے اور فلاں چونکہ ولایت کا پاس شدہ نہیں اس لئے

اسے کم تنخواہ دے دی جائے۔ سب کو یکساں گزارے ملیں گے خواہ کوئی ولایت کا پاس شدہ ہو یا یہاں کا۔ ہاں گزارے میں زیادتی شادی ہونے پر یا بچے پیدا ہونے پر ہو سکے گی۔ مثلاً اگر ایک ولایت کا پاس شدہ نوجوان بھی ہمارے پاس ہوگا تو ہم اسے پندرہ روپے ہی دیں گے اس کے مقابلہ میں اگر کوئی ایسا ہے جو ولایت کا پاس شدہ نہیں تو اسے بھی پندرہ روپے ہی ملیں گے۔ ہاں اگر شادی ہو جائے اور پھر بچے پیدا ہونے لگ جائیں تو اس صورت میں اس گزارہ میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہے گا کیونکہ بچوں نے تو کھانا ہے مگر علم نے نہیں کھانا۔ میں نے دیکھا ہے کہ اگر اس لحاظ سے تقسیم کی جائے تو دولت مند غریب ہو جاتے ہیں اور غریب دولت مند۔ بعض لوگ صرف میاں بیوی ہوتے ہیں ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوتی لیکن وہ پچاس روپیہ ماہوار کما رہے ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ایک اور شخص ہوتا ہے اسکے آٹھ بچے ہوتے ہیں اور وہ سَو روپیہ ماہوار کماتا ہے۔ اب پچاس روپے والا یہ نہیں دیکھے گا کہ مجھے پچاس روپے ملتے ہیں اور ہم کھانے والے صرف دو میاں بیوی ہیں اور اسے گو سو روپیہ ملتے ہیں مگر اس کے گھر کھانے والے دس افراد ہیں بلکہ وہ پچاس اور سو کو دیکھ کر شور مچانے لگ جائے گا کہ غریبوں کو کوئی پوچھتا ہی نہیں امیروں کو سب پوچھتے ہیں حالانکہ یہ پچاس روپے کما کر ۲۵ روپے خود رکھتا اور ۲۵ روپے اپنی بیوی کو دیتا ہے اور سو روپیہ کمانے والا ہر ایک کو دس دس روپے دیتا ہے بلکہ یہ ۲۵ روپے لے کر بھی اپنے آپ کو غریب کہتا ہے اور دوسرے کو باوجود دس روپیہ کی آمد کے امیر قرار دیتا ہے اور اسکی زبان یہ کہتے ہوئے گھس جاتی ہے کہ غریبوں کو کوئی نہیں پوچھتا امیروں کو ہی سب پوچھتے ہیں۔ تو میں نے تحریک جدید میں یہ اصل رکھا ہے کہ علم پر گزارہ مقرر نہ کیا جائے بلکہ کھانے پینے والوں کی تعداد کو دیکھ کر گزارہ مقرر کیا جائے۔

میں نے تحریک جدید کے ماتحت جو گزارے کے نئے اصول مقرر کئے ہیں وہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اسی اصل کے ماتحت ہیں۔ میں نے ہدایت دے دی ہے کہ اگر کوئی مجرد ہو تو اسے اتنے روپے دیئے جائیں گے، شادی ہو جائے تو اتنے اور بچے پیدا ہو جائیں تو فی بچہ اتنا الاؤنس بڑھایا جائے اور اگر کسی کے بچے نہ ہوں خواہ وہ کتنا ہی تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو وہ ہم سے اس شخص کی نسبت کم ہی گزارہ لے گا جو گو اتنا تعلیم یافتہ نہیں مگر اس کے بچے زیادہ ہیں اس لئے

کہ اس کے کھانے والے کم ہیں اور اُس کے کھانے والے زیادہ اور اگر ہم اس کے گزارہ میں ترقی کریں گے تو اسی حساب سے۔ مثلاً فرض کرو ہم نے تین روپیہ فی بچہ گزارہ مقرر کیا ہوا ہے۔ اب جب بھی ہم کسی کا گزارہ بڑھائیں گے اسی اصل پر بڑھائیں گے کہ فی بچہ اتنے روپے زائد کردو یہ نہیں کہ یونہی سالوں کی زیادتی پر رقمیں بڑھاتے چلے جائیں۔ تو میری غرض یہ ہے کہ میں تحریک جدید کے واقفین کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلاؤں وہ اپنی زندگی خدمت دین کیلئے وقف کریں اور ہم اس قربانی کے معاوضہ میں انہیں وہ تعلیم دلائیں جو ان کا سارا خاندان مل کر بھی انہیں تعلیم نہیں دلاسکتا۔ گویا ان کا معاوضہ انہیں روپیہ کی صورت میں نہیں بلکہ تعلیم کی صورت میں ملے لیکن تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ ہم سے وہی گزارہ لیں جو اس وقت لے رہے ہیں اور اس میں زیادتی انہی اصول پر ہو جو میں نے بیان کئے ہیں۔ ان نوجوانوں میں بعض اچھے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے نوجوان ہیں وہ اگر اپنی زندگی وقف نہ کرتے اور یوں کوشش کرتے تو انہیں اچھی اچھی ملازمتیں مل جاتیں۔ پس چونکہ انہوں نے ایک قربانی کی ہے اس لئے میری تجویز ہے کہ انہیں ایسی اعلیٰ تعلیم دلاؤں کہ نہ صرف دینی طور پر بلکہ دنیوی طور پر بھی وہ ہر جگہ عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ اگر مالی لحاظ سے وہ غریب ہوں تو علم اور عقل اور تجربہ کے لحاظ سے اتنی دولت ان کے پاس ہو کہ وہ کسی جگہ ذلیل نہ ہوسکیں۔ اگر کسی انسان کے پاس نہ تو علم ہو اور نہ دولت ہو تو وہ ذلیل ہو جاتا ہے لیکن اگر ان میں سے اگر ایک چیز بھی ہو تو کسی جگہ وہ ذلت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ پس میں نہیں چاہتا کہ تحریک جدید کے واقفین ذلیل ہوں۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ انہیں عزت حاصل ہو مگر ان کی عزت دولت کی وجہ سے نہ ہو بلکہ علم کی وجہ سے ہو اور انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مقام حاصل ہو کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا دولت مند بھی انہیں ذلیل نہ سمجھ سکے۔

میری کوشش یہ ہے کہ اس دور میں سو واقفین زندگی تیار ہو جائیں جو علاوہ مذہبی علم رکھنے کے ظاہری علوم کے بھی ماہر اور سلسلہ کے تمام کاموں کو حزم اور احتیاط سے کرنے والے اور قربانی وایثار کا نمونہ دکھانے والے ہوں۔ اس غرض کے لئے تعلیمی اخراجات کے علاوہ ہمیں ان لوگوں کو گزارے بھی دینے پڑیں گے اور یہ گزارہ پندرہ روپے فی کس مقرر ہے۔ اگر ایک

گریجوایٹ بھی ہو تو اسے بھی ہم پندرہ روپے ہی دیتے ہیں زیادہ نہیں اور یہ اتنا قلیل گزارہ ہے کہ بعض یتامیٰ اور مساکین کے وظائف اس کے لگ بھگ ہیں مگر باوجود اس کے کہ گزارہ انہیں اتنا تھوڑا دیا جاتا ہے جتنا بعض یتامیٰ اور مساکین کو بھی ملتا ہے وہ کام بھی کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی تمام زندگی خدمت دین کیلئے وقف کی ہوئی ہے۔ سردست ہمارا قانون یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی کی شادی ہو جائے تو اسے بیس روپے دیئے جائیں اور پھر بچے پیدا ہوں تو فی بچہ تین روپے زیادہ کئے جائیں اور اسی طرح چار بچوں تک یہی نسبت قائم رہے گویا ان کے گزارہ کی آخری حد بتیس روپے ہے مگر یہ بھی اس وقت ملیں گے جب ان کے گھروں میں چھ کھانے والے ہو جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ گزارہ کم ہے اسی طرح بچوں کی حد بندی کرنی بھی درست نہیں اور اسے جلد سے جلد دور کرنا چاہیئے۔ مگر فی الحال ہماری مالی حالت چونکہ اس سے زیادہ گزارہ دینے کی متحمل نہیں اس لئے ہم اس سے زیادہ گزارہ نہیں دے سکتے اور انہوں نے بھی خوشی سے اس گزارہ کو قبول کیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ بیوی کے لحاظ سے بھی پانچ روپے الاؤنس کم ہے اور اسے بڑھانے کی ضرورت ہے بچوں کے لحاظ سے بھی فی بچہ تین روپیہ گزارہ تھوڑا ہے اور اس میں زیادتی ہونی چاہیئے مگر یہ سب کچھ مالی حالت کے سدھرنے پر موقوف ہے۔ اسی طرح میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ بچوں کی حد بندی کرنی بھی درست نہیں کیونکہ نسل کا بڑھنا قومی لحاظ سے مفید ہوتا ہے لیکن بہرحال ابھی مالی دقتوں کی وجہ سے ہر عورت کے پانچ روپے اور فی بچہ تین روپے ہی مقرر کر سکے ہیں لیکن اگر ہم کسی وقت اس میں زیادتی بھی کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ کے لئے شاید ہمیں پچاس روپیہ سے زائد گزارہ مقرر نہیں کرنا پڑے گا حالانکہ جس قسم کی اعلیٰ تعلیم میں اُنہیں دلانا چاہتا ہوں اس کے بعد اگر یہ کہیں ملازمت کر لیں تو تین چار سو روپیہ ماہوار سے ان کی تنخواہ شروع ہو لیکن پھر بھی خواہ ہم انہیں کس قدر قلیل گزارہ دیں جو کام یہ لوگ کریں گے آخر وہ روپیہ کا محتاج ہے۔

ہم سے صدر انجمن احمدیہ کے کاموں میں یہ غلطی ہوئی ہے کہ عملہ کابل سائز سے زیادہ ہو گیا ہے یعنی صدر انجمن احمدیہ کے کارکنان کی تنخواہوں کا بجٹ سائز کے بجٹ سے بہت زیادہ ہے

حالانکہ کام کو مفید بنانے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ سائر کا بجٹ تنخواہوں سے کئی گُنا زیادہ ہو۔شاید یہ مجبوری تھی لیکن اس غلطی سے تحریک جدید کے کام میں اجتناب ضروری ہے اور میرا ارادہ ہے کہ تحریک جدید کو اس رنگ میں چلایا جائے کہ اس کے سائر کا بجٹ زیادہ ہو اور کارکنان کے گزارہ کا بجٹ کم ہو۔میرا اپنا اندازہ یہ ہے کہ سائر کا بجٹ کئی گنے زیادہ ہونا چاہئے،کم ازکم تین گنا ضرور ہونا چاہئے۔یعنی اگر سو روپے پاس ہوں تو ان میں سے پچیس روپے آدمیوں پر خرچ ہونے چاہئیں اور ۷۵ روپے اشاعت لٹریچر اور کرایوں وغیرہ پر۔اگر اس طریق کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو کئی قسم کی قباحتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔مثلاً اگر لٹریچر موجود نہیں،کرایہ کیلئے کوئی رقم پاس نہیں، اشتہارات چھپوانے کیلئے کوئی روپیہ پاس نہیں،کہیں دواخانے وغیرہ کھولنے کیلئے مالی گنجائش نہیں تو صرف آدمیوں کو ہم نے کیا کرنا ہے۔وہ تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں گے اور جو کام ہے وہ رُکا رہے گا۔پس ضروری ہے کہ جو خرچ آدمیوں پر ہو اس سے کئی گنے زیادہ اشاعت وغیرہ کے اخراجات کیلئے روپیہ ہو۔مثلاً اشتہارات چھپوانے کیلئے،لٹریچر کی اشاعت کیلئے،دواخانے کھولنے کیلئے،آمد ورفت کے کرایوں کیلئے،مدرسوں کے اجراء کیلئے،غریب بچوں کو کتابیں مہیا کرکے دینے کیلئے اور اسی طرح کے اور بہت سے کاموں کیلئے۔فرض کرو ہم کسی جگہ مدرسہ کھولتے ہیں وہاں تمام لڑکے غریب ہیں۔اب سکول چلانے کیلئے ضروری ہوگا کہ بچوں کو کتب اور دوسرا سامان بھی دیا جائے۔ورنہ خالی مدرِّس بیٹھا ہوا وہاں کیا کرسکتا ہے۔پس میرا اندازہ یہ ہے کہ اگر آدمیوں کی تنخواہوں پر ۲۵ روپے خرچ ہوا کریں تو سائر کیلئے ۷۵ روپے ہونے چاہئیں اور یہ کم سے کم اندازہ ہے اور میری کوشش ہے کہ اسی اصل پر تحریک جدید کے کام کو منظّم کیا جائے۔پس اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ نوجوان جو بغیر روپیہ کے کام کرنے کو تیار ہوں وہ اپنی زندگیاں وقف کریں۔اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے بعض نوجوان ہمیں ایسی ہی روح رکھنے والے دیئے ہوئے ہیں۔چنانچہ ان واقفین زندگی میں ایک وکیل ہیں،ان کے والد کئی مربعوں کے مالک ہیں اور وہ اپنے علاقہ کے رئیس اور مرکزی اسمبلی کے ووٹروں میں سے ہیں،وہ شادی شدہ ہیں مگر ہم انہیں بیس روپے ہی دیتے ہیں اور وہ خوشی سے اسے قبول کرتے ہیں حالانکہ زمیندار ہونے کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ اپنے علاقہ میں

انہیں اچھا رسوخ حاصل ہے اگر وہ وکالت کرتے تو سوڈیڑھ سو روپیہ ضرور کما لیتے ۔ بلکہ ہوشیار آدمی تو آجکل کے گرے ہوئے زمانہ میں بھی دو اڑھائی سو روپیہ کما لیتا ہے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو وقف کیا اور قلیل گزارے پر ہی وقف کیا اور میں تو اس قسم کے وقف کو بغیر روپیہ کے کام کرنا ہی قرار دیتا ہوں کیونکہ جو کچھ ہماری طرف سے دیا جاتا ہے وہ نہ دیئے جانے کے برابر ہے ۔ اسی طرح اور کئی گریجوایٹ ہیں جو اپنی ذہانت کی وجہ سے اگر باہر کہیں کام کرتے تو بہت زیادہ کما لیتے مگر ان سب نے خوشی اور بشاشت کے ساتھ اپنی زندگی وقف کی ہے ۔ پس گو تحریک جدید کے واقفین ایک قلیل گزارہ لے رہے ہیں مگر عقلاً انہیں بغیر گزارہ کے ہی کام کرنے والے سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان کے گزارے انکی لیاقتوں اور ضرورتوں سے بہت کم ہیں ۔ مگر جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ اگر بغیر گزارہ کے کام کرنے والے آدمی بھی ہمیں ملیں تو بھی اس کام کیلئے جو ان سے لیا جانا ہے سرمایہ کی ضرورت ہے ۔ کچھ ان کے قلیل گزارہ کیلئے اور کچھ غیر ممالک میں تبلیغ اسلام اور لٹریچر وغیرہ کی اشاعت کیلئے ۔ اگر ہماری جماعت کے آدمی کتابیں نہیں لکھتے یا اگر لکھتے ہیں تو شائع نہیں ہوتیں تو محض اس لئے کہ روپیہ نہیں ہوتا ۔ پس میرا منشاء یہ ہے کہ جہاں نوجوان بغیر روپیہ کے کام کرنے والے ہوں وہاں روزمرہ کے کاموں کیلئے روپیہ کا ایک ریزرو فنڈ جائیداد کی صورت میں ہوتا ۔ اگر کسی وقت جماعت سے چندہ نہ ملے یا چندہ لیا نہ جا سکے تو تبلیغ کے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو اور مستقل آمد ایسی ہو جس سے تمام کام بخوبی چلتا چلا جائے ۔

مَیں نے آج سے کچھ سال پہلے پچیس لاکھ ریزرو فنڈ کی تحریک کی تھی مگر وہ تو ایسا خواب رہا جو تشنۂ تعبیر ہی رہا مگر اللہ تعالیٰ نے تحریک جدید کے ذریعہ اب پھر ایسے ریزرو فنڈ کے جمع کرنے کا موقع بہم پہنچایا ہے اور ایسی جائیدادوں پر یہ روپیہ لگایا جا چکا ہے اور لگایا جا رہا ہے جس کی مستقل آمد پچیس تیس ہزار روپیہ سالانہ ہو سکتی ہے تا تبلیغ کے کام کو بجٹ کی کمی کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچے ۔

اگر ہم سَو واقفین رکھیں جو میرا مقصود ہے اور جن کو میں دوسرے دور میں تیار کرنا چاہتا ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے اخراجات کی اوسط پچاس روپیہ ماہوار رکھیں تو پانچ ہزار روپیہ ماہوار

اور ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ بنتا ہے مگر یہ عملہ کا خرچ ہے اور میں بتا چکا ہوں کہ سائر کے اخراجات کم از کم تین گنے زیادہ ہونے چاہئیں جو لٹریچر کی مفت تقسیم یا دواؤں کی مفت تقسیم یا سفر خرچ وغیرہ پر خرچ ہونا چاہئے۔اس لحاظ سے دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ بنتا ہے جس کی سالانہ ہمیں ضرورت ہوگی گو سردست یہ ایک واہمہ اور خیال ہے مگر جس رنگ میں تحریک جدید کے سرمایہ سے مستقل جائیدادیں تیار ہو رہی ہیں اس سے تیس چالیس ہزار روپیہ سالانہ تک آمد ہو سکتی ہے بلکہ انشاء اللہ اس سے بھی زیادہ اور چونکہ اگر ۲۴ نوجوان ہوں تو ان کے لحاظ سے ساٹھ ہزار روپیہ کا سالانہ بجٹ بن جاتا ہے اس لئے ۲۴ نوجوانوں کے اخراجات کا بجٹ قریباً قریباً اس جائیداد سے پورا ہو سکتا ہے اور چونکہ دورِ ثانی میں ابھی چھ سال باقی ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہماری جماعت کوشش کرے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے آسانی کے ساتھ ایسی جائیدادیں پیدا کی جاسکتی ہیں جن سے تبلیغ کا کام بسہولت ہوتا رہے اور اس کیلئے بعد میں کسی خاص جدوجہد کی ضرورت نہ رہے۔مگر اس کیلئے ضروری ہے کہ جماعت اپنی قربانی کو اس اعلیٰ معیار پر قائم رکھے جو گزشتہ سالوں میں اس نے قائم کیا تھا بلکہ کوشش کرے کہ پہلے معیار سے بھی وہ آگے بڑھ جائے۔دنیا میں لوگ کنوئیں کھدواتے ہیں، سرائیں بنواتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ان کا نام باقی رہے۔وہ بالکل بے دین ہوتے ہیں مگر ان کے دل میں یہ جذبہ ہوتا ہے کہ ہمارا نام کسی طرح باقی رہے لیکن کنوؤں اور سراؤں کی کیا حیثیت ہوتی ہے پچاس، ساٹھ یا سو سال کے بعد ویران اور غیر آباد ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے مقابلہ میں تحریک جدید کا دورِ ثانی مستقل صدقے کا کام ہے اور جو لوگ اس میں حصہ لیں گے وہ اس تبلیغ دین کے ذریعہ جو، ان کے روپیہ سے ہوتی رہے گی اپنی موت کے ہزاروں سال بعد بھی ثواب حاصل کرتے چلے جائیں گے۔دنیا میں حالات بدلتے رہتے ہیں اور عام طور پر جو وقف ہوتے ہیں وہ بھی دو دو، تین تین، چار چار سو سال سے زیادہ دیر تک نہیں رہتے۔لوگ کنوئیں کھدواتے ہیں تو وہ پچاس، ساٹھ یا سو سال کے بعد ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں لیکن دینی جماعتوں کا وقف اس سے بہت زیادہ لمبے عرصہ تک قائم رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں سے ہمیں بہت بہتر مقام عطا فرمایا ہے کیونکہ ان کے مسیح سے ہمارا مسیح اپنی ہر شان میں بلند اور بالا ہے لیکن عیسائیوں کے

بعض وقف بھی ہزار سال سے چلے آتے ہیں۔ پس اگر عیسائیوں کے بعض وقف ہزار ہزار سال تک قائم رہ سکتے ہیں تو کیا تعجب ہے کہ تمہارا وقف ڈیڑھ ہزار یا دو ہزار سال تک قائم رہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پہلے مسیح پر فضیلت دی ہے۔ اب خود ہی غور کرو کہ یہ کتنا عظیم الشان ثواب کا موقع ہے جو تمہارے سامنے ہے۔ تم تحریک جدید کے دورِ ثانی میں غالباً چھ سال تک اَور مالی قربانی کرو گے مگر سینکڑوں ہزاروں سال تک انشاءاللہ تمہارے روپیہ سے تبلیغِ اسلام ہوتی رہے گی اور تمہارے مرنے کے بعد بھی تمہیں ثواب پہنچتا رہے گا۔ میں کہتا ہوں کہ ہزاروں سال کو جانے دو اگر سو، دو سو سال تک بھی تمہیں مستقل ثواب پہنچتا چلا جائے تو یہ کتنی عظیم الشان کامیابی ہے اور اس کامیابی کے مقابلہ میں دس سال کی قربانی کی حقیقت ہی کیا ہے۔

مَیں نے گزشتہ سال کہا تھا کہ تحریک جدید کے دورِ اول کے پہلے سال میں جس نے جس قدر چندہ دیا ہو وہ اگر چاہے تو اسی قدر چندہ دورِ ثانی کے پہلے سال دے سکتا ہے اور پھر ہر سال اسے اپنے چندہ میں دس فیصدی کمی کرنے کی اجازت ہے۔ میں آج دورِ ثانی کے سال دوم کے چندہ کی تحریک کا اعلان کرتے ہوئے پھر اس بات کو دُہرا دیتا ہوں کہ عام قانون یہی ہے کہ دوستوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ پچھلے سال انہوں نے تحریک جدید میں جس قدر چندہ دیا تھا اس سال اگر چاہیں تو اس سے دس فیصدی کم چندہ دے دیں، یعنی اگر کسی نے سو روپے دیئے تھے تو وہ نوے روپے دے سکتا ہے، ہزار روپے دیئے تھے تو نو سو روپے دے سکتا ہے، پچاس روپے دیئے تھے تو ۴۵ روپے دے سکتا ہے، ۲۰ روپے دیئے تھے تو ۱۸ روپے دے سکتا ہے اور دس روپے دیئے تھے تو نو روپے دے سکتا ہے لیکن میں اس کے ساتھ یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو شخص توفیق کے ہوتے ہوئے اپنے چندہ میں کمی کرتا ہے وہ اپنے ایمان کو اپنے ہاتھوں نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ اجازت جو مَیں نے دی ہے یہ صرف اس لئے ہے کہ میں جانتا ہوں کہ ابتداء میں بعض لوگوں نے جوش میں آ کر اپنی طاقت سے بہت زیادہ چندہ دے دیا تھا۔ پس ان کے لئے بغیر اس کمی کے چارہ نہیں اور انکے لئے بھی یہ کمی اس لئے ہے تا پہلے سالوں سے کم چندہ دینے کی وجہ سے ان کا دل میلا نہ ہو اور وہ کہہ سکیں کہ گو ہمیں مالی مشکلات درپیش ہیں مگر پھر بھی

قانون کے اندر رہتے ہوئے ہم نے مالی قربانی میں حصہ لے لیا ہے۔ بے شک تم کہہ سکتے ہو کہ اگر ایک شخص مجبور اور معذور ہے اور اس نے اپنی معذوری کی وجہ سے تحریک میں پہلے جتنا حصہ نہیں لیا تو اس میں کیا حرج ہے مگر تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اگر اس کی اجازت میں قانون کے رنگ میں نہ دوں تو اس کا دل ضرور میلا ہوگا اور وہ کہے گا کہ افسوس کہ میں پہلے جتنا حصہ اب کی دفعہ نہ لے سکا۔ پس میری غرض اس کمی سے یہ ہے کہ اگر کوئی واقع میں مجبور ہوا اور اپنی مجبوری کی وجہ سے پہلے جتنا حصہ نہ لے سکتا ہو تو اس کا دل بھی میلا نہ ہو اور وہ یہ نہ کہے کہ افسوس میں اتنی قربانی نہیں کر سکا بلکہ وہ پھر بھی خوش ہو اور کہے کہ باوجود مجبوری کے میں نے اس قدر قربانی کر لی ہے جس قدر قربانی کا سلسلہ نے مجھ سے مطالبہ کیا تھا۔ پس یہ صرف دل کے میلا نہ ہونے کیلئے میں نے شرط رکھی ہے ورنہ میرا ارادہ یہی ہے کہ ہر سال میں اپنا چندہ کچھ نہ کچھ بڑھاتا چلا جاؤں اور کئی دوسرے دوست بھی ہیں جنہوں نے ہر سال اپنا چندہ بڑھایا ہی ہے گھٹایا نہیں۔

پس مجھے چندہ میں دس فیصدی کمی کی اجازت دینے کا قانون بنانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ وہ لوگ جنہوں نے پہلے سال جوش میں بہت کچھ چندہ دے دیا تھا حتّٰی کہ اپنی طاقت سے بھی زیادہ دے دیا تھا ان کے دل بھی میلے نہ ہوں یا وہ لوگ جن کی مالی حالت بعد میں واقع میں کمزور ہوگئی ہے ان کا دل بھی میلا نہ ہو ورنہ میں جانتا ہوں کہ جماعت کا ایک حصہ ایسا ہے جس نے ہر سال اپنے چندہ میں زیادتی کی ہے۔

اس کے مقابلہ میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنی طاقت سے کم حصہ لیا ہے۔ میں اس موقع پر ان تمام لوگوں کو جنہوں نے گزشتہ سالوں میں اپنی طاقت سے کم حصہ لیا تھا، یا ان لوگوں کو جو اپنی قربانی کے سابقہ معیار کو قائم رکھ سکتے ہیں اور اسی طرح ان لوگوں کو جو اپنی قربانی کے معیار کو بڑھا سکتے ہیں کہتا ہوں کہ تم میں سے وہ جنہوں نے گزشتہ سالوں میں اپنی طاقت سے کم حصہ لیا تھا وہ اپنی سُستی کا ازالہ کریں اور خدا تعالیٰ نے ان کے لئے ثواب کا جو ایک اَور موقع پیدا کر دیا ہے اس سے فائدہ اٹھائیں اور وہ جو اپنی سابقہ قربانیوں کے معیار کو قائم رکھ سکتے ہیں وہ اپنے معیار کو قائم رکھیں اور جو اس معیار کو بڑھا کر زیادہ قربانی کر سکتے ہیں وہ زیادہ قربانی کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی کمی نہیں اگر تم زیادہ قربانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ اجر

پاؤ گے اور اگر کم قربانی کرو گے تو بالکل ممکن ہے کہ قیامت کے دن تم جو اپنے آپ کو ایم۔اے سمجھ رہے ہو انٹرنس پاس ثابت ہو اور ایک انٹرنس پاس خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ایم۔اے ثابت ہو۔پس وہ لوگ جنہوں نے کمزوری دکھائی تھی ان کیلئے اس بات کا موقع ہے کہ وہ اپنی پچھلی کمزوریوں کا اس رنگ میں کفارہ ادا کریں کہ تحریک جدید کے اس سال میں پہلے سالوں سے زیادہ حصہ لیں تا خدا تعالیٰ کے حضور ان لوگوں کا نام کمزور لوگوں میں نہ لکھا جائے بلکہ ان لوگوں میں لکھا جائے جنہوں نے اس کے دین کے جھنڈا کو اپنی پوری طاقت کے ساتھ بلند رکھا۔

اس کے مقابلہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی مالی حالت خدا تعالیٰ نے پہلے سے زیادہ مضبوط کر دی ہے۔آج سے چار سال پہلے ان کی حالت سخت کمزور تھی مگر آج خدا تعالیٰ نے انہیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا ہوا ہے ایسے لوگوں کی یہ بے وقوفی ہوگی اگر وہ اپنے چندوں میں کمی کریں۔جب خدا تعالیٰ نے ان سے خاص سلوک کیا ہے تو ان کا بھی فرض ہے کہ وہ خاص جواب دیں۔پس وہ لوگ جن کی مالی حالت کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط بنایا ہے ان پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور انہیں اپنے چندہ میں کمی کرنے کی بجائے اسے بڑھاتے چلے جانا چاہئے اور وہ جن کی مالی حالت تو اللہ تعالیٰ نے اچھی رکھی ہو مگر وہ چندے کو بڑھا نہ سکتے ہوں انہیں کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اپنے معیار کو قائم رکھیں۔پس گو قانون یہی ہے کہ چندہ میں ہر سال دس فیصدی کمی کی اجازت ہے مگر اس سے فائدہ اس کو اٹھانا چاہئے جو واقع میں معذور اور مجبور ہو اور جو واقع میں مجبور اور معذور نہ ہو اسے اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے۔میں نے خود گزشتہ سال پہلے سالوں سے زیادہ چندہ دیا تھا اور باوجود سخت مقروض ہونے کے اب بھی زیادہ ہی دینے کا ارادہ ہے اور بھی کئی دوست ہیں جنہوں نے پہلے سالوں سے زیادہ چندہ پیش کر دیا ہے اور بعض مخلصین نے تو ایسا نمونہ دکھایا ہے کہ ان پر رشک آتا ہے۔ایک دوست ہیں وہ اپنی ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو انہیں گورنمنٹ کی طرف سے پراویڈنٹ فنڈ ملا۔وہ اب بوڑھے اور کمزور ہو چکے ہیں اور کوئی تجارت وغیرہ کا کام نہیں کر سکتے،ان کا گزارہ جو کچھ ہے اسی پراویڈنٹ فنڈ پر ہے مگر انہوں نے پراویڈنٹ فنڈ ملتے ہی تحریک جدید کے دوسرے سات سالہ دَور کا چندہ اکٹھا ہی بھجوا دیا اور لکھ دیا کہ میری طرف سے یہ دفتر میں بطور امانت رکھ لیا جائے

اور ہر سال اتنا چندہ تحریک جدید میری طرف سے منتقل کرلیا جایا کرے میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور نہ معلوم کب مرجاؤں یا کیا خبر ہے پھر چندہ دینے کی توفیق ملے نہ ملے اسلئے میں آئندہ سات سال کا چندہ اکٹھا بھجوا دیتا ہوں ۔ یہ کیسا اعلیٰ درجہ کا اخلاص اور کس قدر خوش کن نمونہ ہے ۔ جماعت کے دوست ایسے لوگوں پر جس قدر فخر کریں کم ہے ۔ اسی طرح اور کئی دوست ہیں جنہوں نے گو سات سال کا نہیں مگر دو دو تین تین سال کا چندہ اکٹھا جمع کرا دیا ہے کہ ممکن ہے مالی لحاظ سے ہم پر کوئی کمزوری آجائے اور ہم اس ثواب میں شریک ہونے سے محروم رہیں اس لئے بہتر ہے کہ ابھی سے آئندہ سالوں کا چندہ بھی جمع کرا دیا جائے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ[2] یہ کام ایسا شاندار ہے کہ میں سمجھتا ہوں جو لوگ اس تحریک کو کامیاب بنانے میں مدد دیں گے ان کا نام اللہ تعالیٰ خاص لوگوں میں لکھے گا کیونکہ اس چندے میں جن لوگوں نے بھی حصہ لیا ہے ان کے چندوں سے اشاعت اسلام کے لئے ایک مستقل ریزرو فنڈ قائم کیا جائے گا ۔ پس اس کیلئے جتنی قربانی کی جائے تھوڑی ہے اور جس قدر ثواب کی امید رکھی جائے وہ بھی تھوڑی ہے ۔

میں سمجھتا ہوں کہ تحریک جدید کا کام ان مستقل تحریکات میں سے ہے جن میں حصہ لینے والے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے اسی طرح مستحق ہوں گے جس طرح بدر کی جنگ میں شریک ہونے والے صحابہؓ اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں کے مورد ہوئے ۔ جنگ بدر میں جو صحابہؓ شامل ہوئے تھے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا تھا کہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔[3] یعنی جو جی میں آئے کرو میں نے تم کو معاف کر دیا ۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اب تمہارے لئے چوری، ڈاکہ اور شراب اور دوسرے ناروا افعال سب جائز ہو گئے ہیں بلکہ یہ مطلب تھا کہ تم نے ایک ایسی نیکی میں حصہ لیا ہے کہ اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ خود تمہارے اعمال کا ذمہ دار ہو گیا ہے اور وہ تمہیں ہر قسم کے بُرے انجام سے محفوظ رکھے گا ۔ انہی بدری صحابہ میں سے ایک دفعہ ایک صحابی سے ایک سخت غلطی ہو گئی ۔ انہوں نے مکہ والوں کو یہ خبر لکھ دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چڑھائی کرتے ہوئے آ رہے ہیں حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات مخفی رکھنا چاہتے تھے ۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ

نے الہاماً اس واقعہ کی خبر دے دی اور وہ رُقعہ جو اس صحابیؓ نے اہل مکہ کی طرف لکھا تھا وہ پکڑا گیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار جوش میں اپنی تلوار پر ہاتھ مارتے اور کہتے یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کا سر کاٹ دوں۔ آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا عمرؓ! تم کو معلوم ہے یہ بدری صحابی ہے۔ اور بدری صحابہؓ کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے کہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ شاید اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا دل پڑھ کر یہ بات کہی تھی اور بتایا تھا کہ ان سے غلطیاں سرزد ہی نہ ہوں گی۔ پس جن کو اللہ تعالیٰ نے بری قرار دیا ہے تم ان کو منافق کس طرح قرار دے سکتے ہو۔ اللہ! اللہ۔ یہ کس قدر اعلیٰ مقام ہے جس کے لئے مال تو کیا جان دینا بھی انسان پر گراں نہیں گزرتا۔ غرض بعض کام اتنے اہم ہوتے ہیں کہ دنیا میں بطور یادگار قائم رہتے ہیں اور صدیوں تک آنے والی نسلیں اس کا ذکر کئے بغیر نہیں رہتیں۔ مثلاً یہی منارۃ المسیح ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا ہے کہ جو لوگ اس میں ایک سو روپیہ چندہ دیں گے ان کے نام اس پر کندہ کئے جائیں گے۔ اب وہ لوگ جنہوں نے اس میں حصہ لیا ان کے نام دنیا میں ہمیشہ بطور یادگار قائم رہیں گے اور آنے والی نسلیں ان کے لئے دعائیں کرتی رہیں گی۔ اسی طرح بعض ابتدائی جلسوں پر آنے والے مہمانوں کے نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ اب خواہ کس قدر صدیاں گزر جائیں ان کے نام ان کتابوں میں موجود رہیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تحریک جدید کا کام بھی اسی قسم کا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ جماعت کے مخلصین کی ایک مستقل یادگار قائم کرنا چاہتا ہے اور ان کی روحوں کو ان کی وفات کے بعد بھی مستقل طور پر ثواب پہنچانا چاہتا ہے کیونکہ اس چندے کے ذریعہ اشاعت اسلام کی ایک مستقل بنیاد پڑنے والی ہے۔ پس تحریک جدید اپنے اندر اس قسم کی برکات رکھتی ہے اور اس قسم کے انوار اترتے محسوس ہو رہے ہیں کہ یہ امر صاف طور پر دکھائی دے رہا ہے کہ جو لوگ اس میں حصہ لیں گے انہیں اللہ تعالیٰ اپنے قرب کا کوئی خاص مقام عطا فرمائے گا۔ دو چار دن ہوئے الفضل میں قاضی اکمل صاحب کا ایک مضمون حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک پیشگوئی کے متعلق شائع ہوا ہے جو تحریک جدید کے ذریعہ پوری ہوئی۔ وہ دراصل

ایک پرانا کشف ہے جو حضرت مسیح موعودؑ نے دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ:-

''ایک دفعہ کشفی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں۔ ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب۔ پہلے میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ چپ رہا۔ پھر میں نے اس دوسرے کی طرف رخ کیا جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا اور اسے میں نے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ ایک لاکھ نہیں ملے گی مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا''۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ جواب سن کر کشفی حالت میں ہی مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ:-

''اگرچہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں اگر خدا تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بُہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ اُس وقت میں نے کشفی حالت میں ہی یہ آیت پڑھی کہ کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللهِ۔''[۴]

قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ اس رؤیا کے متعلق میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ تحریک جدید میں قربانیاں کرنے والوں کے ذریعہ پورا ہو رہا ہے۔ چنانچہ میں نے منشی برکت علی صاحب فنانشل سیکرٹری سے پوچھا کہ تحریک جدید کے چندہ میں حصہ لینے والوں کی کس قدر تعداد ہے تو انہوں نے بتایا کہ پانچ ہزار چار سَو بائیس۔ چونکہ ہر جماعت میں کچھ نہ کچھ نادہند ہوتے ہیں اس لئے اگر ان کو نکال دیا جائے تو پانچ ہزار ہی تعداد بنتی ہے۔ علاوہ ازیں کسور بالعموم تعداد میں شمار نہیں کئے جاتے پس پانچ ہزار چار سو دراصل پانچ ہزار ہی ہیں۔ لیکن اگر کسور کو بھی شامل کر لیا جائے تو میں نے بتایا ہے کہ کچھ نہ کچھ ایسے لوگوں کی تعداد بھی ہوتی ہے جو وعدہ تو کرتے ہیں مگر اسے پورا نہیں کرتے، پس ایسے نادہندہ اگر تعداد میں سے نکال دیئے جائیں تو پانچ ہزار ہی وہ لوگ رہ جاتے ہیں جنہوں نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ مجھے خود بھی دو تین سال ہوئے یہی خیال آیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی تحریک جدید میں حصہ لینے والوں پر ہی چسپاں ہوتی ہے اور ان دنوں مَیں نے چوہدری برکت علی صاحب کو ایک دفعہ بُلا کر پوچھا بھی کہ

اس تحریک میں حصہ لینے والوں کی تعداد کتنی ہے تو انہوں نے کہا کہ میں زبانی نہیں بتا سکتا دیکھ کر بتاؤں گا۔ میں نے کہا اندازاً آپ بتائیں کہ کس قدر لوگ ہونگے۔ انہوں نے اس وقت بتلایا کہ شاید سات ہزار کے قریب ہیں۔ ان کے اس جواب سے میرے ذہن میں جو یہ خیال تھا کہ شاید تحریک جدید میں حصہ لینے والے پانچ ہزار ہوں اور اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ کشف اسی کے متعلق ہو جاتا رہا اور گو ایک حصہ نادہندوں کا بھی ہوتا ہے اور ایک حصہ ایسے لوگوں کا بھی ہوتا ہے جنہیں جس قدر حصہ لینا چاہیئے اس قدر وہ حصہ نہیں لیتے اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سپاہیوں میں شامل نہیں کرتا مگر چونکہ انہوں نے جو ظنی تخمینہ بتایا وہ بہت زیادہ تھا اس لئے یہ خیال میرے ذہن سے اتر گیا۔ مگر اب قاضی صاحب کے مضمون سے جو اعداد و شمار سے مرتب کیا گیا ہے مجھے وہ پرانا خیال یاد آ گیا اور میں سمجھتا ہوں کہ درحقیقت انہی لوگوں کے متعلق یہ کشف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کئی سال سے میرا یہ خیال ہے کہ یہی وہ فوج ہے جس کے ملنے کی حضرت مسیح موعود کو خبر دی گئی تھی اور اسی فوج کے ذریعہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسلام کی فتح کے لئے ایک مستقل اور پائیدار بنیاد قائم کر دے اور یہ فوج اپنا ایک ایسا نشان چھوڑ جائے جس کے ذریعہ ہمیشہ دنیا میں اسلام کی تبلیغ ہوتی رہے۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ اِدھر ''الفضل'' میں یہ مضمون شائع ہوا اور ادھر چند دن پہلے میں یہ سوچ رہا تھا کہ تحریک جدید میں آخر تک قربانی کرنے والوں کو آئندہ نسلوں کے لئے بطور یادگار بنانے کیلئے کوئی تجویز کروں۔ جب یہ کشف میرے سامنے آیا تو اس نے میرے اس خیال کو اور زیادہ مضبوط کر دیا اور میں نے چاہا کہ وہ لوگ جو اس تحریک میں آخر تک استقلال کے ساتھ حصہ لیں ان کے ناموں کو محفوظ رکھنے کیلئے اور اس غرض کے لئے کہ آئندہ آنے والی نسلیں ان کے لئے دعائیں کرتی رہیں۔ کوئی یادگار قائم کروں۔ لوگ اولاد کے لئے کتنا تڑپتے ہیں محض اس لئے کہ دنیا میں ان کا نام قائم رہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ وہ جنہوں نے خدا تعالیٰ کے دین کے احیاء اور اس کے جھنڈے کو بلند رکھنے کیلئے اس تحریک میں حصہ لیا ہے ان کے نام آئندہ نسلوں کیلئے محفوظ رکھنے کی خاطر کیوں نہ کوئی تجویز کی جائے۔ چنانچہ اس کیلئے میں نے ایک نہایت موزوں تجویز سوچی ہے جسے اپنے وقت پر ظاہر کیا جائے گا۔ غرض اس مضمون کو

پڑھنے کے بعد میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جسے خدا نے اپنا لشکر قرار دیا ہے اور جس کے ذریعہ اسلام کی فتح کا سامان دنیا میں ہونے والا ہے اس جماعت کو کون مٹا سکتا ہے۔ یقیناً کوئی نہیں جو اسے مٹا سکے لیکن ہمارا بھی فرض ہے کہ ان پانچ ہزار سپاہیوں کی کوئی مستقل یادگار قائم کریں کیونکہ وہ سب لوگ جو اس جہادِ کبیر میں آخر تک ثابت قدم رہیں گے ان کا حق ہے کہ اگلی نسلوں میں ان کا نام عزت سے لیا جائے اور ان کا حق ہے کہ ان کے لئے دعاؤں کا سلسلہ جاری رہے اور اس کیلئے جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ایک نہایت موزوں تجویز میں نے سوچ لی ہے۔

پس میں آج اس تمہید کے ساتھ تحریک جدید کے سال پنجم کے چندہ کا اعلان کرتا ہوں۔ دوستوں کو چاہئے کہ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ بننے کی کوشش کریں۔ میں نے تحریک جدید کے پانچویں سال کے چندہ کی شرائط بیان کر دی ہیں۔ میں نے بتایا ہے کہ قانون یہی ہے کہ دس فیصدی پچھلے سال سے کم چندہ دیا جا سکتا ہے مگر ایک سچے مؤمن کو اس اجازت سے اسی صورت میں فائدہ اٹھانا چاہئے جبکہ وہ واقع میں مجبور اور معذور ہو اور اگر وہ واقع میں معذور اور مجبور نہیں یا مجبور اور معذور تو ہے مگر اس کا ایمان اور اخلاص اسے پیچھے ہٹنے نہیں دیتا تو میں اسے کہوں گا کہ تم کوشش کرو کہ اپنی پہلی جگہ پر کھڑے رہو بلکہ اگر ہو سکے تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ بے شک اس سال چندوں کی بھرمار ہے مگر جو کام ہمارے سامنے ہے وہ بھی بہت بڑا ہے اور وہ اشاعتِ اسلام کے لئے مستقل جائداد کا پیدا کرنا ہے۔ جو لوگ اس راستہ میں مشکلات کی پرواہ نہیں کریں گے اور مصیبتوں پر ثابت قدم رہیں گے وہی لوگ ہیں جو اپنے عمل سے اس بات کو ثابت کر دیں گے کہ وہ آئندہ نسلوں میں عزت کے ساتھ یاد کئے جانے کے مستحق ہیں مجبوریاں سب کیلئے ہوتی ہیں۔ اگر ایک شخص پیچھے ہٹے اور دوسرا انہی حالات میں سے گزرتے ہوئے ثابت کر دے کہ اس نے قدم پیچھے نہیں ہٹایا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم مجبور ہیں انہوں نے غلط کہا تھا کیونکہ انہی حالات میں دوسروں نے قربانی کی اور وہ کامیاب ہوئے۔

اس طرح ہر وہ شخص جو نیا احمدی ہوا ہے اس کو بھی میں توجہ دلاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس پر بہت بڑا فضل کیا ہے کہ اپنے سچے دین کا راستہ اسے دکھا دیا یا بالفاظِ دیگر اس کا خدا اسے مل گیا۔

اب اس پر بھی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہو چکی ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کی نسبت آگے بڑھنے کی کوشش کرے بلکہ جو نیا احمدی ہوا سے اس بات کی اجازت ہے کہ اگر وہ چاہے تو گزشتہ سالوں کے چندہ میں بھی شامل ہو جائے۔ پس ہر نئے احمدی سے گزشتہ سالوں کا چندہ بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح وہ جسے پہلے اس تحریک کا علم نہ تھا یا جو پہلے کُلّی طور پر نادار تھا اس سے پہلے سالوں کا چندہ بھی قبول کیا جا سکتا ہے مثلاً فرض کرو ایک شخص پہلے طالبعلم تھا مگر بعد میں ملازم ہو گیا یا پہلے بیکار تھا مگر بعد میں اسے کوئی ملازمت مل گئی ایسے تمام لوگوں سے پہلے سالوں کا چندہ بھی قبول کر لیا جائے گا کیونکہ پہلے انہوں نے مجبوری سے اس میں حصہ لینے سے اجتناب کیا تھا جان بوجھ کر حصہ لینے سے انکار نہیں کیا تھا۔ ہاں جنہیں گزشتہ سالوں کے چندہ میں شریک ہونے کی توفیق تھی اور وہ ان دنوں برسر کار بھی تھے مگر انہوں نے جان بوجھ کر حصہ نہیں لیا انہیں اجازت نہیں۔ وہ صرف نئے سال میں شامل ہو سکتے ہیں پچھلے سالوں میں نہیں۔

یاد رکھو ایک بہت بڑا کام ہے جو ہمارے سامنے ہے، بہت بڑی مشکلات ہیں جنہیں میں اپنے سامنے دیکھتا ہوں، ایک عظیم الشان جنگ ہے جو شیطان سے لڑی جانے والی ہے۔ جو لوگ اس میں حصہ لیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کریں گے اور جو لوگ حصہ نہیں لیں گے وہ اپنے اعراض سے خدا تعالیٰ کے کام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے اور اس نے بہر حال ہو کر رہنا ہے۔

''قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا''

پس یہ کام ہو کر رہے گا اور اگر تم نہیں کرو تو تمہارا ہمسایہ کرے گا اور اگر وہ نہیں کرے گا تو کوئی اور کرے گا، بہر حال غیب سے اس کی ترقی کے سامان ہونگے۔ پچھلا پچاس سالہ تجربہ تمہارے سامنے ہے دشمن نے لاکھ رکاوٹیں ڈالیں، اس نے کروڑ حیلے کئے، اس نے طعنے بھی دیئے، اس نے گالیاں بھی دیں، اس نے بُرا بھلا بھی کہا، بڑے بڑے لوگ مخالفت کے لئے بھی اٹھے اور انہوں نے چاہا کہ اس سلسلہ کی ترقی کو روک دیں مگر خدا تعالیٰ کا کام ہو کر رہا اور اس نے الہام کر کے ایسے لوگ کھڑے کر دیئے جو اس کے دین کے انصار بنے اور یقیناً اب بھی ایسا ہی ہو گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی کمزور ثابت نہ ہو بلکہ تم میں سے ہر شخص اپنے عمل سے

ثابت کردے کہ جب امتحان کا وقت آیا تو تم نے اسلام اور احمدیت کے لئے وہ قربانی کی جس قربانی کا اسلام تم سے مطالبہ کرتا تھا اور تم اپنے ایمان اور اپنے عمل اور اپنی قربانیوں کے لحاظ سے گزشتہ جماعتوں سے پیچھے نہیں رہے بلکہ ان سے آگے بڑھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری جماعت کے دوستوں کے دلوں کو کھولے تا وہ اس پانچ ہزار سپاہیوں کے لشکر میں شمولیت کا فخر حاصل کرسکیں جس کی خبر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایک کشف کے ذریعہ دے چکے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ ۔''

(الفضل ۲۴ رنومبر ۱۹۳۸ء)

---

۱ النحل: ۹۳ ۲ الاحزاب: ۲۴

۳ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الممتحنۃ

۴ تذکرہ صفحہ ۱۷۷، ۱۷۸۔ ایڈیشن چہارم